بسم الله الرحمن الرحیم

خمس

مؤلف:
آیت اللہ جعفر سبحانی

مترجم:
سید ضیغم عباس ہمدانی

کتاب کا نام: خمس

مؤلف: آیت اللہ جعفر سبحانی

مترجم: سید ضیغم عباس ہمدانی

مصحح: سید احتشام عباس زیدی

نظر ثانی: سید مبین حیدر رضوی

پبلشر: موسسہ فرہنگی ہنری مشعر

ایڈیشن: فروری ۲۰۱۵ء

تعداد:

قیمت:

مشعر کے ہول سیلرز:

تہران: ٹیلیفون نمبر: ۶۴۵۱۲۰۰۳ ـ ۰۲۱

قم: ٹیلیفون نمبر: ۳۷۸۳۸۴۰۰ ـ ۰۲۵

فہرست

مقدمہ ۱۳

پہلا باب ۲۱

کتاب اللہ میں خمس کے واجب ہونے کی دلیلیں ۲۳

ا۔ عربی زبان میں "غنیمت" کے معنی: ۲۴

۲۔ قرآن میں "غنیمت" کا مفہوم: ۲۷

۳۔ حدیث میں "غنیمت" کا مفہوم: ۲۸

اہل سنت کے فقہاء اور جنگی غنائم کے علاوہ باقی چیزوں پر خمس کے واجب ہونے کے بارے میں قرآنی آیت سے دلیل پیش کرنا: ۳۰

ا۔کانیں ۳۰

۲۔ خزانہ (گنج) ۳۱

پیغمبرؐ کی سنت میں خمس کے واجب ہونے کے دلیلیں ۳۳

الف) پیغمبرؐ کی احادیث میں کمائی پر خمس کا ذکر: ۳۳

الف: کاروان عبدالقیس کی روایت: ۳۳

ب: پیغمبرؐ کے خطوط میں خمس کا ذکر: ۳۷

عمرو بن حزم کے نام خط: ۳۷
معافر اور ہمدان کے قبیلوں کے سرداروں کے نام خط: ۳۸
قضاعہ اور جذام کے قبائل کے نام ایک خط: ۳۸
فجیع اور اس کے پیروکاروں کے نام ایک خط: ۳۹
جنادہ ازدی کے نام ایک خط: ۳۹
زید کے بیٹے جہینہ کے نام ایک خط: ۳۹
قبیلہ جہینہ کے نام ایک خط:...................... ۴۰
آئمہؑ کی روایات میں خمس کے واجب ہونے کے دلائل .. ۴۳
۱۔ معادن (کانیں): ۴۳
۲۔ گنج (خزانہ): ۴۳
۳۔ غواصی کے نتیجے میں ملنے والے جواہرات: ۴۴
۴۔ وہ زمین جو ذمی کافر کسی مسلمان سے خریدے: ... ۴۴
۵۔ حرام مال کے ساتھ خلط ملط حلال مال: ۴۵
۶۔ کام اور تجارت کے اموال: ۴۵
امام محمد باقرؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ: ۴۶
امام جعفر صادقؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ: ۴۷
امام موسی کاظمؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ: . ۴۷

امام رضاؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ : ۴۹

امام جوادؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ : ۵۲

امام علی نقیؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ : ۵۳

دوسرا باب..۵۷

ایسی روایات کی تشریح جو شیعوں پر خمس کے مباح ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۵۷

خمس کے بخش دینے کا راز:............................ ۵۹

پہلا گروہ: تین چیزوں پر مشتمل ہے:................ ۵۹

۱۔غنائم پر خمس:.................................. ۶۰

۲۔خمس پر عقیدہ نہ رکھنے والے لوگوں کے اموال: ۶۴

۳۔انفال: ۶۵

دوسرا گروہ: غرباء کے لئے خمس کو معاف قرار دینا: ..۶۷

تیسرا گروہ: ایک خاص وقت تک خمس کی ادائیگی کی معافی:.. ۶۸

بنی ہاشم پر زکات اور صدقات کا حرام ہونا:...........۷۲

آئمہ علیہم السلام کے دور میں وکالت کی انجمنیں: ۷۴

آئمہ علیہم السلام کے چند وکلاء: ۷۶

۱۔ معلیٰ بن خنیس: ۷۶

۲۔ حمران بن اعین:............................... ۷۷
۳۔ نصر بن قاموس لخمی: ۷۸
۴۔ عبدالرحمٰن بن حجاج: ۷۸
۵۔ مفضل بن عمر جعفی: ۷۸
۶۔ عبداللہ بن جندب بجلی: ۷۹
۷۔ محمد بن سنان: ۷۹
۸۔ علی بن مہزیار اہوازی: ۷۹
۹۔ جمیل بن دراج: ۷۹
۱۰۔ علی بن جعفر ہمانی: ۸۰
۱۱۔ ابوعلی بن راشد: ۸۰
۱۲۔ صالح بن محمد بن ہمدانی: ۸۰
۱۳۔ علی بن ابی حمزہ بطائنی: ۸۱
۱۴۔ زیاد بن مروان قندی: ۸۱
۱۵۔ عثمان بن عیسی: ۸۱
۱۶۔ عثمان بن سعید عمری: ۸۱
۱۷۔ ابوجعفر محمد بن عثمان بن سعید عمری: ۸۱
۱۸۔ حسین بن روح نوبختی: ۸۲
تیسرا باب ۸۳

خمس کا فریضہ اور عصر غیبت کے فقہاء ۸۳
غیبت کے زمانے میں فقہاء کو خمس کی ادائیگی:.......۸۵
چوتھا باب ۹۳
خمس کے مصارف ۹۳
خمس کے مصارف: ۹۵
پانچواں باب...۱۰۱
کتاب "خمس" کی تشریح..................................۱۰۱
کتاب "خمس" کی تشریح: ۱۰۳
پہلا باب.. ۱۰۷
آٹھ حقائق ۱۰۷
پہلی حقیقت: ۱۰۹
دوسری حقیقت: ۱۱۰
جواب: ۱۱۰
تیسری حقیقت: ۱۱۱
جواب: ۱۱۱
چوتھی حقیقت: ۱۱۲
جواب: ۱۱۳
پانچویں حقیقت: ۱۱۳

جواب: ۱۱۳
چھٹی حقیقت: ۱۱۴
جواب: ۱۱۴
ساتویں حقیقت: ۱۱۶
جواب: ۱۱۶
آٹھویں حقیقت:....................................... ۱۱۶
جواب: ۱۱۷
دوسرا باب...۱۱۹
گزشتہ حقائق پر تفصیلی دلائل.............................۱۱۹
جواب: ۱۲۱
تیسرا باب ۱۲۵
خمس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف................... ۱۲۵
خمس کو معاف کردینے والی روایات کو چھپانا: ۱۲۸
جواب: ۱۲۹
الصدر مرحوم پر مزید دو تہمتیں:................... ۱۳۰
جواب: ۱۳۱
حساب کرنے میں غلطی: ۱۳۲
جواب: ۱۳۲

۱۔ روزمرہ اخراجات اور زندگی کی ضروریات کا الگ
کرنا:.. ۱۳۵
خمس کے بجائے زکوۃ پر تاکید: ۱۳۶
جواب: ۱۳۶
خمس اور زکوۃ کا موازنہ ۱۴۰
زکوۃ کے سلسلے میں غلطی: ۱۴۱
خمس کے بارے میں مؤلف کی لغزشیں: ۱۴۳
چوتھا باب ۱۴۷
کمائی پر خمس؛ تاریخ کی روشنی میں ۱۴۷
جواب: ۱۴۹
خمس اور تاریخ کے فراعین: ۱۵۱

مقدمہ

ایران کے پر شکوہ اور پروان چڑھتے ہوئے اسلامی انقلاب نے اس عظیم ملک پر بیگانوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور تمام اسلامی ممالک کے لئے ایک مثال کی حیثیت اختیار کر گیا تا کہ وہ بھی اس انقلاب کی پیروی کر کے اپنے ملک پر قابض غیر لوگوں کو جڑ سے نکال دیں اور اس ملک کی طرح اسلامی شریعت کی الہامی اور حکیمانہ اصولوں سے استفادہ کرتے ہوئے خود کو پسماندگی سے چھٹکارا دلا کر آگے کی طرف قدم بڑھائیں۔

اسلام کے اس آفاقی پیغام نے سلطانوں اور ان کے مقرر کردہ حکام کے بدن پر کپکپی طاری کر دی اور "حسنین ہیکل" کے بقول اس پیغام نے تمام علاقے میں ایک زلزلہ برپا کر دیا جس کے جھٹکے قابل دید تھے۔

ہر چند اس عظیم انقلاب کا اصل سبب ایرانی قوم کا وہ مضبوط ارادہ تھا جس نے اپنی عزت اور شرف کو خطرے میں دیکھ کر پوری جانفشانی سے کام لیتے ہوئے بیگانوں کے پروردہ مسلح افراد کو نکال باہر کیا۔ بہرحال انقلاب کی تکمیل میں رہنماؤں کی عظیم رہنمائی کسی صورت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔

اس انقلاب کے عظیم رہبر ایک عالی مقام مجتہد اور اپنے دور سے مکمل آگاہی رکھنے والے ایک اسلام شناس انسان تھے جو مختلف حصوں میں بکھری ہوئی قوم کو متحد کرنے اور انہیں ہم آواز کرنے میں کامیاب رہے

مذکورہ انقلاب کے رہبر ایک مرجع تقلید تھے جن کے پیغام کو لوگ اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے بے چون وچرا اس پر عمل کرتے تھے اور یہی لوگ ایک طویل مدت کے بعد اپنے ہر دلعزیز لیڈر کو دوبارہ وطن لانے میں کامیاب ہوئے اور جمہوریت کا لبادہ اوڑھے ہوئے اپنی اسلامی حکومت کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا۔

انقلاب کو نقصان پہنچانے والے دشمن عناصر عرصہ دراز سے قوم کے اندر مرجعیت کے کردار اور لوگوں پر اس کے اثر سے آگاہ تھے، اور میرزائے بزرگ کے تمباکو کے خلاف فتوے کے زمانے سے اس حساس مسئلے کی اہمیت کو سمجھ چکے تھے۔ تاہم ابھی تک انہیں ان فتوؤں کی طاقت کا چنداں اندازہ نہیں تھا لیکن اس بار انہیں ایک انتہائی تلخ تجربے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بار سب نے اقرار کرلیا کہ جب تک شیعہ مرجعیت باقی رہے گی اور لوگ مراجع، ائمہؑ، خدا کے پیغمبروں اور خداوند تعالی کے اپنے احکامات پر کان دھرتے رہیں گے، وہ اس قوم سے مقابلے اور نتیجتاً ان پر حکومت کے خواب نہیں دیکھ سکتے۔

اس لئے وہ "شیعہ شناسی" کے عنوان سے برپا ہونے والے کانفرنسوں کے انعقاد سے ان کی قدرت کو سمجھنے اور اس قدرت کا توڑ نکالنے کے درپے ہوئے۔ اس کے لئے انہوں نے شیعہ اور سنی مذاہب پر مشتمل تمام مسلمانوں کے تمام مذاہب کی دشمن یعنی وہابیت کی داغ بیل ڈالی جس کا کام صرف مسلمانوں کے درمیان نفاق اور تفرقہ پیدا کرنا ہے اور جس نے اپنے اس مقصد تک رسائی کے لئے ان دو مذاہب کی تردید اور تنقید کی غرض سے کئی کتابیں لکھ ڈالیں۔ مسلمانوں کی

وحدت اور قربت کے دشمن اس فرقے نے شیعہ کے اعتقادات کو نشانہ بناتے ہوئے چھوٹی بڑی کتابوں کی اشاعت اور حج کے دنوں میں حجاج کے درمیان ان کی مفت تقسیم کے ذریعے یہ کوشش کی کہ اہل تشیع کے بعض اعتقادات (جن کے بارے میں حاجیوں کو زیادہ معلومات حاصل نہ ہوں) پر اعتراض کرکے حاجیوں کے ذہنوں میں ان اعتقادات کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرسکیں اور مذہب تشیع کے روشن چہرے کو کریہہ اور قابل نفرت بنا کر پیش کرسکیں۔ اسی مقصد کے لئے پچھلے دنوں ریاض میں زندگی بسر کرنے والے ایک وہابی مبلغ کی تحریر کردہ کتاب "الخمس بين الفريضة الشرعية والضريبة المالية" تقسیم ہوئی۔ کتاب کے مولف کا نام "سليمان بن صالح الخراشي" ہے جو خراشی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور جس کا سلسلہ نسب بنی تمیم سے جاملتا ہے۔

اس نے اس کتاب کو براہ راست چھپوانے کے علاوہ اس کی کاپیاں انٹرنیٹ پر بھی جاری کردی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ اس کی یہ کتاب سلفی اور وہابی سائٹوں میں سے ایک ویب سائٹ یعنی فصیل نور (www.fnoor.com) پر بھی مشاہدہ کرسکتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے اس کتاب کی تلخیص کرکے اس کی تقسیم کا عمل انجام دیا۔ بعد میں اس کتاب میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ ہم کتاب کے سرورق پر یوں لکھا ہوا دیکھتے ہیں:

ترتیب اور تنظیم: علاء الدین موسوی، ترجمہ: اسحاق دبیری۔

لیکن کتاب کے پہلے ہی صفحے پر مولف کا نام علاء عباس الموسوی جبکہ مترجم کا نام اسحاق بن عبداللہ العوضی لکھا ہوا ملتا ہے۔

اس کے علاوہ مصنف نے اپنا تعارف بطور ایک شیعہ کے کیا ہے حالانکہ وہ کر سکتے تھے کہ سچائی کو بغیر کمی بیشی اور تحریف کے لکھ کر اپنے اسلامی اخلاق کا ثبوت فراہم کرتے۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ جو اس قسم کے رسالے رقم کرتے ہیں اور انہیں عربی یا فارسی زبان میں لوگوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، درحقیقت نہ توفقیہہ ہیں، نہ حدیث کے ماہرین اور نہ شیعہ کے فقہی مسائل اور احادیث سے آگاہی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی کبھار شیعہ مذہب کے پیروکاروں سے ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو ان کے فقہی مسائل میں بالکل بھی شامل نہیں۔

یہ مصنف عام دیندار لوگوں (جو خمس ادا کرتے ہیں) کے کردار و رفتار سے بھی آگاہی نہیں رکھتا اور ان پر بھی تہمت کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ یہاں ہم مصنف کی کمزور معلومات کی چند مثالیں پیش کررہے ہیں:

ا۔ وہ کہتا ہے: "دیندار لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر قسم کی کمائی اور تمام اموال پر خمس ادا کریں"، حالانکہ خمس کا اطلاق کبھی تمام اموال پر نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر میراث کے طور پر ملنے والی دولت اور عورتوں کے حق مہر پر (چاہے ان کی مقدار جو بھی ہو) خمس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ ہر قسم کی کمائی پر بھی خمس کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ خمس صرف ان چیزوں پر ہوتا ہے جو سال بھر استعمال میں آنے والی چیزوں کے علاوہ ہوتی ہیں۔

۲۔ مصنف کہتا ہے: "شیعہ فقہ کے مطابق خمس کا تعلق تمام سادات سے ہے چاہے وہ امیر ہوں، یا غریب"، جبکہ کسی بھی فقیہہ نے ایسی کوئی بات نہیں کی اور شیعوں کے عمل سے بھی ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ خمس پر صرف غریب سادات کو حق حاصل ہے۔

۳۔ کبھی وہ کہتا ہے: "خمس کے واجب ہونے کے بارے میں قرآن اور سنت میں کوئی دلیل نہیں ملتی"، لیکن اس کے بعد کہتا ہے: "البتہ قرآن میں صرف ایک بار وہ بھی جنگی غنائم پر خمس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔" حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ کی سنت میں خمس کے واجب ہونے کے بارے میں بہت سی روایات ملتی ہیں۔

۴۔ کبھی وہ خمس کے واجب ہونے کو مانتا ہے اور اس کا اقرار بھی کرتا ہے کہ اس کے بارے میں ائمہؑ سے منسوب روایات ملتی ہیں، لیکن پھر وہ فقہاء کو اس کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے۔ جبکہ ولایت فقیہہ کے بارے میں پائے جانے والی روایات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔

۵۔ کبھی کہتا ہے: جو خمس واجب تھا غیبت کے زمانے میں شیعہ اماموں کے توسط سے بخش دیا گیا۔

۶۔ وہ سوچتا ہے: شیعہ فقہاء ہی خمس کو واجب سمجھتے ہیں"، حالانکہ اہل سنت بھی بعض مواقع پر خمس کو واجب سمجھتے ہیں جن میں سے چند ایک کی طرف یہاں اشارہ کیا جائے گا:

- جنگی غنائم جن پر خمس کا تعلق خدا، اس کے رسولؐ، پیغمبرؐ کے نزدیکی لوگوں، یتامی، فقراء اور غربت زدہ

مسافروں سے ہے۔

- فے (وہ اموال جو کسی جنگ کے بغیر پیغمبرؐ کے دائرہ اختیار میں آجائیں) یعنی:

الف: وہ زمینیں جو کسی خونریزی یا جنگ کے بغیر ہی کفار کے وہاں سے چلے جانے کے بعد یا ان کے سر تسلیم خم کرنے کے بعد پیغمبرؐ کو ملیں۔

ب: کفار سے وصول کیا جانے والا ٹیکس۔

ج: حکومت اسلامی کی حمایت سے کفار سے وصول کیا جانے والا ٹیکس۔

د: اسلامی حکومت کی زمینوں سے حاصل ہونے والا ٹیکس۔

- ذمی کافر کی میراث۔
- لاوارث شخص کی میراث۔
- مرتد کی میراث۔
- معادن اور اس کی تمام انواع واقسام پر خمس۔
- خزانوں اور دفینوں پر خمس۔
- کفار کی طرف سے مسلمان حکام کو ملنے والے تحفے۔[۱]

۷۔ کبھی وہ ایسے دو واقعات کو آپس میں ملا دیتا ہے جن کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ کہتا ہے: خمس کی ادائیگی (زکات) کی فراموشی

۱۔ موسوعہ فقہی کویتی، ج ۲۰، مادہ خمس، ص ۱۲ سے ۲۱ تک جہاں یوں لکھا ہوا ہے: شافعی مذہب کے لوگ اور احمد کہتے ہیں: فے پر خمس واجب ہے جس کا مصرف غنائم پر خمس کے مصرف کی طرح ہے۔ (ص ۱۹)

کی وجہ بن گئی ہے۔

نماز اور روزے کی مانند خمس اور زکات بھی دو جداگانہ اور مستقل واجبات ہیں جن کے احکام بھی جداگانہ ہیں۔ تو پھر ایک پر عمل کرنا دوسرے کو فراموش کرنے کی وجہ کیسے بن سکتا ہے جبکہ دونوں کے مصارف ایک دوسرے سے قطعی طور پر مختلف ہیں؟

دوسری بات یہ کہ وہ دیندار لوگ جن پر زکات کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے، وہ خمس کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ زکات کی ادائیگی سے بھی غفلت نہیں برتتے۔ دراصل زکات فراموش نہیں ہوئی، چونکہ آج کے دور میں اکثر لوگ زکات ادا نہیں کرتے اس لئے مصنف کو ایسا محسوس ہوا کہ لوگ زکات کو بھول ہی چکے ہیں۔ پیغمبرؐ کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی اکثر لوگوں کا پیشہ مال مویشی پالنا اور کھیتی باڑی تھا جنہیں لازماً زکات ادا کرنی ہوتی۔ لیکن آج اکثر لوگ نہ تو گندم اور جو کاشت کرتے ہیں اور نہ ہی مال مویشی پالتے ہیں کہ زکات ادا کرتے پھریں۔ اس لئے اگر زکات ادا نہیں کی جارہی تو اس کا سبب خمس کی ادائیگی نہیں بلکہ بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں کے کام کاج کی نوعیت میں آنے والی تبدیلی ہے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ خمس کی ادائیگی میں کسی قسم کا زور نہیں۔ یہ تو دیندار لوگ ہیں جو اپنی مرضی سے اپنا یہ مذہبی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اس اجمالی یاد دہانی کے بعد موضوع کو مزید واضح کرنے کے لئے درج ذیل موضوعات زیر بحث لائے جائیں گے:

۱۔ قرآن کریم اور پیغمبرؐ وائمہؑ کی سنت کی روشنی میں خمس کے واجب

ہونے کے بارے میں چند دلائل۔
۲۔ ان روایات کی تفسیر و تشریح اور شیعوں پر خمس کے واجب ہونے کے دلائل۔
۳۔ خمس کا فریضہ اور عصر غیبت کے فقیہہ۔
۴۔ خمس کے مصارف۔
۵۔ کتاب خمس کی قالب شکنی۔

جعفر سبحانی
۲۰ / ۱۰ / ۸۶
دوم محرم الحرام ۱۴۲۹

پہلا باب

۱۔کتاب اللہ میں خمس کے واجب ہونے کی دلیلیں
۲۔سنت پیغمبرؐ میں خمس کے واجب ہونے کی دلیلیں
۳۔ائمہؑ کی روایات میں خمس کے واجب ہونے کی دلیلیں:

(۱)

کتاب اللہ میں خمس کے واجب ہونے کی دلیلیں

خمس کا مطلب کسی چیز کا پانچواں حصہ ہے۔ قرآن کی ایک مبارک آیت میں مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والے تمام اموال پر خمس ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خداوند تعالی فرماتا ہے: خمس اللہ، رسول، رسول کے قرابتدار، ایتام، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہے۔

(وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)[۱]

ترجمہ: اور یہ جان لو کہ تمہیں جس چیز سے بھی فائدہ حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رسول کے قرابتدار، ایتام، مساکین اور مسافران غربت زدہ کے لئے ہے اور اس نصرت پر رہے جو ہم نے اپنے بندے پر حق و باطل کے فیصلہ کے دن جب دو جماعتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں نازل کی تھی اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

۱۔ انفال: ۴۱

۱۔ عربی زبان میں "غنیمت" کے معنی:

کیا عربی زبان اور قرآنی اصطلاح میں "غنیمت" کے معنی صرف "جنگی غنائم" کے ہیں اور یہ لفظ کسی دوسرے معنی میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ مصنف کچھ ایسا ہی دعوی کرتا ہے؟ یا پھر "غنیمت" دو معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے ایک معنی "مطلق کمائی" کے ہیں ہر چند فقہاء کی اصطلاح میں اس کے معنی "جنگی غنائم" کے بھی ہیں۔ یاد رہے کہ فقہی اصطلاح اور اس لفظ کے لغوی اور قرآنی معنی ایک نہیں۔ یہاں ہم دیکھیں گے کہ عرب ماہرین لغت کے ہاں یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ خلیل بن احمد فراہیدی یعنی عرب کا سب سے پہلا ماہر لغت جس سے بعد والے تمام ماہرین لغت نے اپنی کتابوں میں استفادے کئے ہیں، کہتا ہے: "غنم" کے معنی کسی چیز تک رسائی حاصل کرنے کے ہیں اور "اغتنام" کا مطلب ہاتھ آئی ہوئی چیز سے استفادہ کرنے کے ہیں۔[۱]

۲۔ ابن فارس نے "معجم مقاییس اللغۃ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے مختلف مقامات پر مختلف معنوں میں استعمال ہونے والے الفاظ کا ریشہ ایک ہی معنی سے ملائے۔ وہ کہتا ہے: "غنم" کے صرف ایک ہی معنی ہیں یعنی کسی ایسی چیز سے استفادہ کرنا جو پہلے

۱۔ الغنم: الفوز بالشیء۔ والاغتنام انتہاز الغنم۔ (العین، ج ۴، ص ۴۲۶، مادہ غنم)۔

سے کسی کی دسترس میں نہ ہو، اس کے بعد اس لفظ کو مشرکین سے حاصل شدہ چیزوں کے معنی تک محدود کر دیا گیا۔[۱]

۳۔ راغب اصفہانی کا کہنا ہے: "غنم" کا مطلب کسی چیز پر دسترس حاصل کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ دشمن یا غیر دشمن سے حاصل ہونے والی تمام چیزوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔[۲]

۴۔ ابن منظور کا کہنا ہے: "غنم" کے معنی یہ ہیں کہ انسان کسی چیز کو بغیر محنت کئے حاصل کر لے۔[۳]

۵۔ ابن اثیر کا کہنا ہے: ایک حدیث میں ہے: وہ مال جو کسی کے پاس گروہ رکھا ہوا ہے، ہر چند کسی بھی طرح کی غنیمت یا خسارہ رکھتا ہو، اپنے مالک کا مال ہے۔ اس کی غنیمت کا مطلب اس کی تعداد میں اضافہ، اس کی نمو یا اس کی قیمت میں اضافہ ہے۔ . .[۴]

اس لئے تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ عرب لغت میں "غنیمت" کے معنی کسی ایسی چیز پر دسترس حاصل کرنے کے ہیں جو پہلے سے کسی کے پاس نہ ہو۔ یہ لفظ صرف "جنگی غنائم" کے معنوں

۱۔ معجم مقاییس اللغۃ، مادہ غنم "لہ اصل صحیح واحد یدل علی افادۃ شیء لم یملک من قبل ثم یختص بما اخذ من المشرکین"۔

۲۔ مفردات راغب، مادہ غنم "الغنم: اصابتہ والظفر بہ ثم استعمل فی کل مظفور بہ من جھۃ العدی وغیرھم"۔

۳۔ لسان العرب، مادہ غنم "الغنم: الفوز بالشیء من غیر مشقہ"۔

۴۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، مادہ "غنم" و فی الحدیث: "الرھن لمن رھنہ، لہ غنمہ وعلیہ غرمہ، غنمہ زیادتہ ونماوہ وفاضل قیمتہ"۔

تک محدود ہو کر نہیں رہ جاتا۔ حتیٰ کہ ابن فارس کہتا ہے: اس لفظ کے پہلے معنی کسی سود مند چیز پر دسترس حاصل کرنے کے ہیں لیکن بعد کے زمانوں میں یہ لفظ صرف "جنگی غنائم" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

بہر حال "غنیمت" کا لفظ "غرامت" کے متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی نقصان کے ہیں اس لئے لازمی ہے کہ "غنیمت" کے معنی نفع کے ہوں کیونکہ فقہی قواعد میں کہا جاتا ہے کہ: (من له الغنم فعليه الغرم) یعنی جو کماتا ہے نقصان بھی اسی کو پہنچتا ہے۔

اس قاعدے کی دلیل کے طور پر پیغمبرؐ کی حدیث ہے کہ فرماتے ہیں: **(لا يغلق الرهن من صاحبه الذي رهنه، له غنمه و عليه غرمه)** یعنی: "گروی رکھی ہوئی چیز کا تعلق اس کے اپنے مالک سے ختم نہیں ہوتا، چاہے جو بھی سود و زیاں رکھتی ہو، پھر بھی اپنے مالک کی ملکیت ہے۔"

امام شافعی کا کہنا ہے: حدیث میں "غنم" کے معنی اس میں اضافے کے ہیں جبکہ "غرامت" کا مطلب اس میں کمی کے ہیں۔

عرب ماہرین لغت کی ان تصریحات اور تشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ "غنم" کے معنی صرف "جنگی غنائم" نہیں بلکہ یہ لفظ کمائی اور فائدے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہر چند بعض موقعوں پر فقہاء کے ہاں یہ لفظ جنگ سے حاصل شدہ فائدے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ بہر حال یہ لفظ زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن میں "غنیمت" کا مفہوم:

ہم نے لغت کے ماہرین کی باتیں سنیں جن کے مطابق "غنیمت" زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ اتفاق سے قرآن بھی ماہرین لغت کی باتوں کی تائید کرتا ہے۔ اگر کسی خاص موقع پر قرآن "غنیمت" کا لفظ "جنگی غنائم" کے معنوں میں استعمال کرتا بھی ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ لفظ ہمیشہ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہی لفظ ایک آیت میں اخروی نعمتوں اور روز قیامت کی پاداش کے معنوں میں بھی آیا ہے، جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا[۱]

ترجمہ: ایمان والو جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کرلو خبردار جو اسلام کی پیش کش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت فوائد (غنیمت) پائے جاتے ہیں۔ آخر تم بھی تو پہلے ایسے ہی کافر تھے۔ خدا نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قبول کرلیا تو اب تم بھی اقدام سے پہلے تحقیق کرو کہ خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

۱۔ نساء: ۹۴

مذکورہ بالا آیت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں غنیمت کے معنی اخروی نعمتوں کے ہیں کیونکہ یہ لفظ (عرض الحیاۃ الدنیا) کے مقابلے میں آیا ہے۔ جبکہ کتاب کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۶۸ میں یوں لکھتا ہے: قرآن میں چھ جگہوں پر "غنیمت" کا لفظ آیا ہے اور تمام موقعوں پر جنگ کے دوران کفار سے حاصل شدہ اموال کے معنوں میں استعمال ہوا ہے"۔

پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں "غنیمت" اپنے عام معنوں میں استعمال ہوا ہے اور مصنف کا یہ دعوی کہ اس لفظ کے معنی صرف "جنگی غنائم" کے ہیں، ٹھیک نہیں۔

۳۔ حدیث میں "غنیمت" کا مفہوم:

جس طرح قرآن اور اہل لغت کے ہاں لفظ "غنیمت" کمائی کے معنوں میں آیا ہے، بالکل اسی طرح رسول اللہؐ کی احادیث میں بھی یہ لفظ حاصل شدہ مادی اور معنوی فائدوں کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے ہم یہاں چند ایک مثال کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ شائقین اسلامی احادیث میں لفظ "غنم" کے معنی دیکھ سکتے ہیں:

ابن ماجہ اپنی کتاب "سنن" میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
رسول اللہؐ زکات وصول کرتے وقت یوں فرماتے تھے:

(اللھم اجعلھا مغنماً ولا یجلعھا مغرماً)[۱]

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب زکات، باب مایقال عند اخراج الزکاۃ، حدیث ۱۷۹۷

ترجمہ: اے خدا! اس زکات کو زکات دینے والے کی بہرہ مندی میں اضافے کا باعث بنا اور اس کے نقصان کا سبب نہ بنا۔

اپنی کتاب "مسند" میں احمد بن حنبل رسول اللہؐ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضورؐ فرماتے ہیں:

(غنیمۃ مجالس الذکر، الجنۃ)

ترجمہ: یاد خدا کی مجلسوں کی پاداش، جنت ہے۔

حضورؐ سے ایک اور جگہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضورؐ رمضان کے مہینے کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(غنم للمومن)

ترجمہ: سود اور فائدہ مومن کے لئے ہے۔

ابن اثیر کہتے ہیں؛ احادیث میں ہے:

(الصوم فی الشتاء الغنیمۃ البارِدۃ)

ترجمہ: سردیوں کا روزہ ایک ٹھنڈی غنیمت ہے۔

اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے ابن اثیر لکھتے ہیں: اسے (روزہ کو) غنیمت کہا گیا ہے چونکہ اس کے لئے اجر اور پاداش مقرر ہے۔

اس بنا پر لغت کے ماہرین، قرآن اور رسول اللہؐ کے ہاں "غنیمت" کے استعمال کو دیکھتے ہوئے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے: لفظ "غنیمت" کسی بھی صورت میں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو ہرگز صرف "جنگی غنائم" کے معنوں میں محدود ہو کر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے یہ دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ لغت، قرآن اور حدیث میں آنے والے "غنیمت" کے لفظ کا مطلب صرف اور صرف "جنگی غنائم" ہے۔

اہل سنت کے فقہاء اور جنگی غنائم کے علاوہ باقی چیزوں پر خمس کے واجب ہونے کے بارے میں قرآنی آیت سے دلیل پیش کرنا:

جب ہم کہتے ہیں کہ آیہ خمس ایک وسیع معنی رکھتا ہے اور صرف "جنگی غنائم" کے معنوں میں محدود ہو کر نہیں رہ جاتا تو اس کے لئے اہل سنت کے چہارگانہ مذاہب کے فقہاء کی آیہ خمس سے دلیل پیش کرنے کی سند پیش کرتے ہیں۔ ان تمام فقہاء نے "جنگی غنائم" کے علاوہ باقی چیزوں کے لئے بھی آیت سے استفادہ کیا ہے، جیسے:

۱۔کانیں

حنفی اور مالکی فقہاء معتقد ہیں کہ معادن (کانوں) کے مالکان کو اپنی کمائی کا ۱/۵ حصہ خمس کے طور پر ادا کرنا چاہیے۔اپنی اس بات کی تصدیق کے لئے وہ مذکورہ آیت پیش کرتے ہیں۔

حنفی فقہاء میں وہبہ زحیلی یوں نقل کرتے ہیں: معادن (کانوں) پر خمس کے واجب ہونے کی دلیل (وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) اوالی آیت ہے۔[۲]

خدا کی کتاب کے علاوہ احادیث بھی انہی معنوں پر دلالت کرتی ہیں

۱۔انفال: ۴۱

۲۔الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۲، ص ۷۷۶

کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا: (وفی الرکاز الخمس)مذکورہ بالا حدیث صحیح مسلم، صحیح بخاری اور اہل سنت کی دیگر کتابوں میں آئی ہے۔[۱]

۲۔ خزانہ (گنج)

خزانہ بھی ان تمام چیزوں میں شامل ہے جن پر خمس دینا واجب ہے۔ اس کی دلیل کے لئے مذکورہ آیہ مبارکہ اور مذکورہ بالا آنے والی حدیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ رکاز کے معنی کسی ایسی چیز کے ہیں جو زمین کے اندر دبا دی گئی ہو۔ چاہے یہ چیز خدا کی طرف سے رکھی گئی چیزیں ہوں جیسے معادن (کانیں) یا مخلوق کی طرف سے رکھی ہوئی کوئی چیز ہو جیسے گنج (خزانہ)۔

انس بن مالک کہتے ہیں: ہم پیغمبرؐ کے ہمراہ قلعہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ آیا ہوا ایک شخص راستے میں رفع حاجت کے لئے ایک طرف گیا۔ اپنی طہارت کے لئے دیوار سے ایک اینٹ نکالی ہی تھی کہ دیوار گر پڑی، اور اسے سونے کے سکوں پر مشتمل ایک خزانہ ملا۔ وہ اسے لے کر پیغمبرؐ کے پاس آیا اور آپؐ کو اپنی داستان سنائی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: اس کا وزن معلوم کرو۔ تولنے پر اس کا وزن ۲۰۰ درہم نکلا۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: یہ خزانہ ہے اور اس کا خمس ادا کرو۔[۲]

ابن اثیر کہتے ہیں: اس مسئلے پر فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں

۱۔ صحیح بخاری، ج ا، ص ۱۸۲، باب فی الرکاز الخمس، صحیح مسلم، ج ۵، ص ۱۲۷، باب جرح العجماء، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۳۵۔

۲۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۲۸

پایا جاتا اور میں نے انہی سے سنا ہے: زمین میں پوشیدہ ہر اس چیز پر جس کے حصول کے لئے انسان کوئی خرچہ نہ کرے اور کوئی زحمت نہ اٹھائے، خمس واجب ہے۔[1]

مذکورہ بالا باتوں سے دو نکات کھُل کر سامنے آتے ہیں:

۱۔ مذکورہ آیت صرف غنائم جنگی کے بارے میں نہیں بلکہ اس میں آنے والا لفظ "غنم" وسیع تر معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ خمس کا اطلاق صرف جنگی غنائم پر نہیں ہوتا بلکہ اس میں تمام معادن اور خزانے بھی شامل ہیں۔

اتفاقاً امام صادقؑ کی ایک حدیث بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔ امامؑ اپنے جدّ حضرت علیؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے علیؑ سے یوں فرمایا: یا علی! (حضرت) عبدالمطلب نے زمانہ جاہلیت میں پانچ چیزیں سنت کے طور پر رکھ چھوڑی ہیں جن کی تائید خدا نے اسلام کے لئے بھی کی ہے۔ اس (جناب عبدالمطلب) کو ایک خزانہ ملا جس پر انھوں نے خدا کی راہ میں خمس ادا کیا۔ یہاں تک پہنچ کر حضورؐ نے اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی:

(وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)[2]

۱۔ جامع الاصول، ج ۴، ص ۶۲۰، ۶۲۱۔ کہتا ہے: وانما کان فیہ الخمس لکثرة نفعه و سهولة اخذه والاصل فیه ان ما خفت کلفته کثر الواجب فیه وما ثقلت کلفته قل الواجب فیه

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۵، باب ۵ از ابواب مایجب فیہ الخمس، حدیث ۳۔

(۲)

پیغمبرؐ کی سنت میں خمس کے واجب ہونے کے دلیلیں

الف) پیغمبرؐ کی احادیث میں کمائی پر خمس کا ذکر:

کتاب "خمس" کے مصنف نے صحاح (حدیث کی کتابوں) اور دوسری کتابوں میں پیغمبرؐ کی آنے والی احادیث سے اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہ سوچا کہ کمائی پر خمس کی ادائیگی صرف شیعہ مذہب سے مخصوص ہے جبکہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی ایسی دلیلیں موجود ہیں جن میں کمائی پر خمس کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ یہاں ہم رسول اللہؐ کی احادیث میں سے چند ایک پیش کر رہے ہیں جن میں کمائی پر خمس کی ادائیگی کا ذکر آیا ہے:

الف: کاروان عبدالقیس کی روایت:

بحرین، قطیف اور احساء (جہاں سے مدینہ منورہ تک کئی سو کلومیٹر کا فاصلہ تھا) کے علاقوں میں رہنے والے عبدالقیس نامی ایک گروہ رمضان کے پر امن مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: ہمارے اور آپ لوگوں کے درمیان مشرکین ہیں اور حرام (حرمت والے) مہینوں کے علاوہ باقی اوقات میں آپ صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ ہم چاہتے ہیں آپ ہمیں اسلام اور کفر کی سرحدوں سے آگاہ کریں اور ہمیں ایک جامع نصیحت کیجئے جس پر عمل کرکے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور دوسروں کو ان (پر عمل کرنے) کی طرف بلائیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم لوگوں کو چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں۔ وہ چار چیزیں جن پر تمہیں عمل کرنے کا حکم دے رہا ہوں:

۱۔ خدا پر ایمان:

میں تمہیں خدا پر ایمان، کیا تم جانتے ہو کہ خدا پر ایمان کیا ہے؟

(خدا پر ایمان کا مطلب ہے) لا الٰہ الا اللہ یعنی خدا کی یکتائی کی شہادت دینا۔

۲۔ نماز قائم کرنا۔

۳۔ زکات ادا کرنا۔

۴۔ کمائی پر خمس ادا کرنا:

کمائی پر خمس ادا کرنا جو پیغمبرؐ کی تعبیر کے مطابق:

(وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ

شَيۡءٖ قَدِيرٌ)[1] والی آیت ہے۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ "مغنم" کے لفظ سے پیغمبر کی کیا مراد ہے؟ یہاں تین صورتیں ممکن ہیں جن میں سے دو رد شدہ اور ایک معین اور یقینی ہے:

۱۔ غنائم جنگی

۲۔ وہ چیزیں جو غارتگری کے سبب ہاتھ آتی ہیں۔

۳۔ کمائی سے حاصل شدہ فائدہ۔

پہلی صورت درج ذیل دلائل کی رو سے رد شدہ اور باطل ہے:

۱۔ انہوں نے پیغمبرؐ سے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان مشرکین حائل ہیں اور ہم ماہ رمضان کے علاوہ باقی مہینوں میں آپ کے پاس آنے سے قاصر ہیں۔ اس بات سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ مشرکین کے ہاتھوں اپنی جان و مال کے لٹ جانے سے خوفزدہ تھے اور اپنے علاقوں سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ مشرکین سے جنگ کرکے جنگی غنائم حاصل کرتے!

۲۔ کسی بھی مسلمان کو پیغمبرؐ کی اجازت کے بغیر جہاد یا جنگ کرنے کا حق نہیں اور یہ جہاد اسلامی کے مسلم اصولوں میں سے ہے۔ اگر ایک لمحے کے لئے ہم یہ مان بھی لیتے ہیں کہ وہ آئے تھے تاکہ حضورؐ کی خدمت میں جنگی غنائم پیش کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۵، باب ۵ از ابواب مایجب فیہ الخمس، حدیث ۳۔

پیغمبرؐ کی اجازت کے بغیر جہاد کیا تھا اور اب جنگی غنائم کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یقیناً ایسا نہیں تھا۔

۳۔ اسلامی جہاد کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ تمام جنگی غنائم حضورؐ کے سامنے پیش کئے جاتے تھے جن میں سے خمس الگ کرنے کے بعد باقی تمام چیزوں کی تقسیم کا کام بھی حضورؐ ہی انجام دیا کرتے تھے جبکہ حدیث میں لوگوں کو خمس ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے: (وتعطوا الخمس من المغنم) یعنی: "غنیمت" پر خمس ادا کرو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں "غنیمت" سے مراد صرف "کمائی" ہے اور کچھ نہیں۔

۴۔ پہلی صورت کی طرح دوسری ممکنہ صورت بھی باطل اور رد شدہ ہے کیونکہ اسلام میں غارتگری قطعاً ممنوع ہے۔ حدیث کے ماہرین نے کتاب "فتن" میں نہب (غارتگری) کے باب میں رسول اللہؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "غارتگری کرنے والا ہم میں سے نہیں۔" نیز فرماتے ہیں: "غارتگری ممنوع ہے۔"[1]

اپنی صحیح میں بخاری نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عبادۃ بن صامت نے کہا ہے: (بایعنا النبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم ان لا ننہب)[2]

ابوداوود اپنی سنن کی کتاب میں انصار میں سے ایک شخص سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم رسول اللہؐ کے ساتھ باہر آئے۔ لوگوں کو غضب کی بھوک لگ رہی تھی۔ اچانک وہ بھیڑوں کے ریوڑ کے پاس

۱۔ (من انتہب نہبۃ فلیس منا)۔ نیز فرماتے ہیں: (ان النہبۃ لا تحل) (سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۲۹۸، حدیث ۳۹۳۷ اور ۳۹۳۸)۔

۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۴۸، باب النہب بغیر اذن صاحبہ۔

پہنچے اور انہیں لوٹ لیا۔ پیغمبرؐ اس وقت وہاں پہنچے جب ہماری دیگیں ابل رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے کمان کے ساتھ تمام دیگیں الٹ دیں۔ اس کے بعد ان پر مٹی ڈالی اور فرمایا: (ان النہبۃ لیست باحل من المیتۃ)[1]

اوپر بیان کی ہوئی باتوں کی روشنی میں تیسری ممکنہ صورت واضح ہے کہ پیغمبرؐ قافلے کی صورت میں آئے ہوئے لوگوں کو جنگی غنائم نہیں بلکہ اپنی کمائی کے ۵/۱ حصے کو خمس کی صورت میں ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ جنگ تو ہوئی ہی نہیں۔

یہ مطلب کہ پیغمبرؐ لوگوں کو ان کی کمائی پر خمس کی ادائیگی کا حکم دیا کرتے تھے، صرف آنحضرتؐ کی احادیث ہی سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ آپؐ کے خطوط میں بھی کچھ ایسے ہی مفاہیم کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

ب: پیغمبرؐ کے خطوط میں خمس کا ذکر:

عرب کے قبائل کے نام لکھے ہوئے اپنے خطوط میں بھی پیغمبرؐ نے خمس ادا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہاں ہم چند مثالیں پیش کر رہے ہیں:

عمرو بن حزم کے نام خط:

عمرو بن حزم (جنہیں حضورؐ نے یمن کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا) کے نام یوں لکھتے ہیں:... یہ رسول اللہؐ کی طرف سے عمرو بن حزم کے نام ایک حکم ہے، کہ جب انہیں یمن کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اسے

۱۔ سنن ابی داوود، ج ۳، ص ٦٦، حدیث ۲۷۰۵

یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تمام امور میں تقوا اور پرہیزگاری کو اپنائے، "مغانم" میں سے خدا کا خمس وصول کرے اور مومنوں پر لازمی زکات بھی، ایسی زمینوں جو نہروں اور آسمانی پانی سے سیر اب ہوتی ہے، کا دسواں جبکہ ان زمینوں جنہیں کنویں کے پانی سے سیر اب کیا جاتا ہے، کا بیسواں حصہ وصول کریں...

معافر اور ہمدان کے قبیلوں کے سرداروں کے نام خط:

مذکورہ قبائل کے سرداروں کے نام اپنے خط میں پیغمبرؐ یوں تحریر فرماتے ہیں:

(فقد رجع رسولکم واعطیتم من المغانم خمس اللہ)[1]

ترجمہ: آپ کا قاصد پہنچا اور یہ تصدیق کی جاتی ہے کہ آپ نے اپنا خمس ادا کیا۔

مذکورہ بالا حدیث میں "مغانم" کا مطلب کمائی اور کسب وکار ہے کیونکہ مذکورہ قبیلہ کوئی فوجی قبیلہ نہیں تھا کہ جنگ کرتا اور "جنگی غنائم" پر خمس ادا کرتا۔

قضاعہ اور جذام کے قبائل کے نام ایک خط:

پیغمبرؐ نے مذکورہ دو قبیلوں کے نام ایک ہی طرح کا خط تحریر فرمایا اور انہیں سکھایا کہ وہ کس طرح زکات ادا کریں۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ اپنی زکات اور خمس آپؐ کے دو نمائندے یعنی ابی اور عنبسہ

۱۔ وثائق السیاسیۃ، ص ۲۲۷، شمارہ ۱۱۰، بیروت

کو ادا کریں۔[1]

فجیع اور اس کے پیروکاروں کے نام ایک خط:

پیغمبرؐ نے فجیع اور اس کے پیروکاروں کے نام اپنے ایک خط میں یوں تحریر فرمایا: وہ لوگ جو ایمان لائے، نماز قائم کی، زکات ادا کی، خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی اور "مغانم" پر خدا کا خمس ادا کیا۔[2]

جنادہ ازدی کے نام ایک خط:

ایک اور خط میں رسول اللہؐ یوں تحریر فرماتے ہیں: ازد قبیلہ اور اس کی ذیلی شاخیں اس وقت تک خدا اور رسول اللہؐ کے ساتھ وعدہ و پیمان باندھے ہوئے ہیں جب تک وہ نماز بپا کرتے رہیں گے، زکات ادا کریں گے، خدا اور رسول اللہؐ کی پیروی کرتے رہیں گے اور "مغانم" پر خدا اور اس کے رسولؐ کا خمس ادا کرتے رہیں گے اور مشرکین سے الگ رہیں گے۔"[3]

زید کے بیٹے جہینہ کے نام ایک خط:

آنحضرتؐ جہینہ (جو اپنے قبیلے کا سردار تھا) کے نام اپنے خط میں یوں تحریر فرماتے ہیں: زمینوں کے شگاف، ان (زمینوں) کے صحرا اور

۱۔ طبقات کبری، ج ۱، ص ۲۷۰
۲۔ ایضاً، ص ۳۰۴ اور ۳۰۵
۳۔ طبقات کبری، ج ۱، ص ۲۷۰

دروں کی اونچ نیچ تمہارے اختیار میں ہیں۔ تم لوگ چاہو تو اپنے حیوانات وہاں چروا سکتے ہو اور ان (زمینوں) کے پانی سے استفادہ کر سکتے ہو اس شرط کے ساتھ کہ ان کا ۱/۵ حصہ ادا کرو۔[۱]

اس ۱/۵ حصے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ۱/۵ حصے کا لفظ جنگی غنائم کے لئے استعمال ہوا ہے یا اس انفال کے لئے جس کے مالک خدا اور اور اس کے رسولؐ ہیں۔

قبیلہ جہینہ کے نام ایک خط:

اس گروہ کے نام اپنے خط میں حضورؐ یوں فرماتے ہیں:

(من اسلم منھم واقام الصلاۃ واتی الزکاۃ واطاع اللہ ورسولہ واعطی من الغنائم الخمس)[۲]

ترجمہ: جو اسلام لائے، نماز قائم کرے، زکات دے اور خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے اور غنائم پر خمس ادا کرے۔

ان مختلف خطوط (جو تقریباً متواتر ہیں) کا ہدف کیا ہے؟

یقیناً اپنے ان خطوط میں حضورؐ نے رہبری کے حقوق (تنخواہ) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمام مسلمان اپنے روزمرہ خرچے کے علاوہ باقی ماندہ اموال میں سے ۱/۵ حصہ رہبر کو ادا کریں تاکہ ان کا رہبر مالی طور پر مستحکم ہو کر بہتر طور پر اسلام پھیلانے اور تبلیغی اور تعلیمی امور کی طرف توجہ دے سکیں۔ ان تمام خطوط میں سے ایک بھی خط ایسا نہیں

۱۔ الوثائق السیاسیۃ، ص ۲۶۵، نمبر ۱۵۷

۲۔ طبقات الکبری، ج۱، ص ۲۷۱

ہے جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو کہ ہم کہہ سکیں کہ یہاں لفظ "غنیمت" سے مراد جنگی غنائم ہیں۔

اسلامی جہاد کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہمیشہ پیغمبرؐ یا امام کے حکم سے شروع ہو۔ لوگوں کو بالکل یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے ابتدائی جہاد (نہ اپنے دفاع کے لئے) میں حصہ لیں۔ امام شافعی اور امام احمد واضح لفظوں میں کہتے ہیں: جہاد، امام یا امام کی طرف سے مقرر کردہ شخص یا اشخاص کے حکم کے بغیر شروع نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح وہ معتقد ہیں کہ جہاد کے دوران چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی امام کی اجازت کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا جیسے دشمن کو للکارنا وغیرہ یا جہاں جنگ سے پہلے دو لشکر آمنے سامنے صف آرائی کرتے ہیں تو ایسے میں مسلمان مجاہد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امام کی اجازت کے بغیر میدان جنگ میں قدم رکھے اور جنگ کی پیش کش کرے اور لڑنا شروع کردے۔ یہ بات بھی اہم ہے اکہ اگر ان خطوط میں دشمنوں کے ساتھ ابتدائی جہاد کا ذکر ہوتا تو پھر حضورؐ واضح کرتے کہ مجاہدین کے درمیان اموال کی تقسیم کی صورت کیا ہونی چاہیے۔ کیا ایک سوار مجاہد اور ایک پیادہ مجاہد کے حصوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا؟

اس کے علاوہ حضورؐ کو اپنے دیگر خطوط کی طرح جو انہوں نے جہاد کرنے والوں کے نام تحریر فرمایا، ان تحریروں میں بھی لکھنا چاہیے تھا کہ پہلے دشمنوں کو اسلام کی دعوت دے کر حجت تمام کردو، پھر ان کے ساتھ جہاد کرنا اور جہاد کے دوران بوڑھوں، زخمیوں، عورتوں اور بچوں

ا۔ المہذب، ج ۲، ص ۲۲۹۔ نہایۃ المحتاج، ج ۸، ص ۶۰، مغنی ابن قدامہ، ج ۸، ص ۳۶۴۔

سے زیادتی کرنے سے پرہیز کرنا، پانی کو زہریلا کردینے، خرمنوں اور باغوں کو آگ لگانے سے پرہیز کرنا۔ اور اگر دشمن اہل کتاب ہو تو خبردار ان کی عبادت گاہوں پر حملہ نہ کرنا۔

اس کے علاوہ اگر حضورؐ کی طرف سے لکھے جانے والے خطوط کا تعلق جہاد کے حکم سے ہوتا تو حضورؐ ان خطوط میں ان مہینوں کا ذکر ضرور فرماتے جن میں جہاد ممنوع ہے کیونکہ جن کے نام خطوط تحریر کئے جارہے تھے ان میں سے اکثر لوگوں کو مسلمان ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان احکامات کی تشریح کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ان خطوط کا جہاد کے حکم سے کوئی تعلق نہیں اس لئے خطوط میں ذکر شدہ خمس کا اطلاق صرف کمائی پر کرنا چاہیے۔

دراصل یہاں حضورؐ نے اسلامی اصولوں میں سے ایک اصول کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لوگ اپنے روزمرہ کا خرچ نکال کر باقی اموال میں سے ۵/۱ حصہ اپنے رہبر کو ادا کریں اور جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس کمائی کا تعلق امامت سے ہے اور امام علی نقیؑ کی تعبیر کے مطابق کہ: (اماماکان بسبب الامامۃ فھولی)[۱]؛ یعنی: امامت کے عنوان سے لوگ جو مال تمہارے پاس لائے ہیں، چاہیے کہ وہ ہمارے اختیار میں رہے۔

یہاں تک ہم نے کمائی پر خمس کے اطلاق کے لئے خدا کی کتاب اور رسول اللہؐ کی سنت سے رجوع کیا۔ اب ہم اس بارے میں ائمہؑ کی روایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۶، باب ۳، حدیث ۱۔

(۳)

آئمہ علیہم السلام کی روایات میں خمس کے واجب ہونے کے دلائل

جنگی غنائم کے علاوہ درج ذیل چیزوں پر بھی خمس کا اطلاق ہوتا ہے:

۱۔ معادن (کانیں):

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا: کیا لوہے، جست اور تانبے جیسے معادن پر بھی کچھ واجب ہے؟ فرمایا: (علیھا الخمس جمیعاً)؛ یعنی: ان تمام پر ۱/۵ حصہ ادا کرنا لازمی ہے۔[1]

۲۔ گنج (خزانہ):

ان تمام چیزوں میں سے جن پر ۱/۵ حصے کو امام اور رہبر کو ادا کرنا لازمی ہے، ایک "خزانہ" ہے۔ عبداللہ بن علی عرف حلبی کہتے ہیں: میں

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۶، باب ۳، حدیث نمبر۱۔

نے امام جعفر صادقؑ سے خزانے کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کتنا حصہ ادا کرنا لازمی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ۵/۱ حصہ۔[۱]

۳۔ غواصی کے نتیجے میں ملنے والے جواہرات:

دریاؤں سے ملنے والے موتی اور مونگے جیسے جواہرات پر بھی خمس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حلبی کہتے ہیں: میں نے غواصی کے نتیجے میں ملنے والے موتیوں کے بارے میں سوال کیا۔ امامؑ نے فرمایا: (علیه الخمس)[۲]؛ یعنی: ۵/۱ حصہ ادا کرنا چاہیے۔

۴۔ وہ زمین جو ذمی کافر کسی مسلمان سے خریدے:

اگر ایک ذمی کافر کسی مسلمان سے کوئی زمین خریدے تو اسے اس کا خمس ادا کرنا چاہیے۔

ابوعبیدہ حذاءِ کہتے ہیں: میں نے امام باقرؑ سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: جب بھی کوئی ذمی کافر کسی مسلمان سے کوئی زمین خریدے تو اس کا ۵/۱ حصہ ادا کرے۔[۳]

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، پانچواں باب، حدیث نمبر ۱۔
۲۔ ایضاً، ساتواں باب، حدیث ۱۔
۳۔ ایضاً، باب ۹، حدیث ۱

۵۔ حرام مال کے ساتھ خلط ملط حلال مال:

اگر کوئی حلال مال کسی حرام مال کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو جائے کہ انسان کے لئے یہ بتانا مشکل ہو جائے کہ کونسا مال حلال ہے اور کون سا اور اس کے مالک کو حرام مال کی مقدار معلوم نہ ہو، تو لازمی ہے کہ تمام مال (حلال اور حرام) پر خمس امام یا رہبر کو ادا کرے۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں:

امام صادقؑ فرماتے ہیں: ایک شخص امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے ایک ایسی دولت ملی جس کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔

امامؑ نے فرمایا:

(اخرج الخمس من ذلك المال، فان اللہ عزوجل قد رضی من المال بالخمس واجتنب ما کان صاحبه یعلم)؛

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: اس کا ۱/۵ حصہ ادا کرو اور خدا اس کے ۱/۵ حصے پر راضی ہو جائے گا اور وہ مال جس کے مالک کو تم جانتے ہو، اس کے مالک کو واپس لوٹا دو۔[1]

۶۔ کام اور تجارت کے اموال:

جو انسان تجارت، صنعت یا مالی یا اقتصادی ذرائع سے تعلق رکھنے

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، باب ۱۰، حدیث ۱۔

والے کسی دوسرے راستے سے کچھ کماتا ہے اور اگر اس کے اور اس کے پورے خاندان (اگر وہ خاندان کا سرپرست ہے) کا پورے سال کا خرچہ نکال کر بھی کچھ بچتا ہے تو اسے بچے ہوئے حصے پر ۵/۱ حصہ امام کو ادا کرنا چاہیے۔

امام محمد باقرؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ:

ابو بصیر، امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ فرماتے ہیں:

(لا یحل لاحد ان یشتری من الخمس شیئاً حتی یصل الینا حقنا)[۱]

(کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ خمس کے پیسوں سے کچھ خریدے، مگر یہ کہ ہمارا حصہ ہمیں پہنچ جائے)۔

ابو بصیر ایک اور حدیث میں یوں کہتے ہیں: میں نے امام باقرؑ سے سنا ہے کہ امامؑ نے فرمایا:

(من اشتری شیئاً من الخمس لم یعذره الله اشتری مالا یحل له)[۲]

یعنی: جو شخص بھی خمس کے پیسوں سے کچھ خریدے، خدا کبھی اسے نہیں بخشے گا کیونکہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جو اس کے لئے حلال نہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس پر خمس دینا لازمی ہے چاہے وہ جنگی غنائم ہوں، خزانے ہوں یا کانیں۔

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، باب ۱، حدیث ۴۔

۲۔ ایضاً، حدیث ۵

امام جعفر صادقؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ:

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ کے نام ایک خط میں لکھا: کبھی کبھار انسان کو ایک ایسا تحفہ دیا جاتا ہے جس کی قیمت کم و بیش ۲۰۰۰ درہم ہوتی ہے۔ کیا اس پر خمس دینا انسان پر واجب ہے؟

امامؑ نے جواب میں لکھا: (الخمس فی ذلک)؛ یعنی: اس کا ۱/۵ حصہ ادا کیا جائے۔

اس کے بعد میں نے پھر امامؑ کے نام لکھا: ایک شخص کے پاس ایک باغ ہے۔ اس کا خاندان اس کے پھلوں سے استفادہ کرتا ہے جبکہ وہ اپنے باغ کے پھلوں کا کچھ حصہ فروخت بھی کرتا ہے۔ کیا ان پھلوں پر خمس لازمی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جو پھل اس کے خاندان والے کھاتے ہیں، ان پر خمس واجب نہیں کیونکہ ان کا شمار روزمرہ کے اخراجات میں ہوتا ہے، لیکن جو پھل وہ فروخت کرتا ہے، ان پر خمس واجب ہے۔[۱]

امام موسیٰ کاظمؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ:

سماعہ کہتے ہیں:

میں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے خمس کے مسئلے کے بارے میں پوچھا، جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: (فی کل ما افاد الناس من قلیل

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، آٹھواں باب، حدیث ۱۰۔

او کثیر)؛ یعنی: ہر قسم کی کمائی پر چاہے کم ہو یا زیادہ، خمس دینا واجب ہے۔[1]

حماد بن عیسی ایک واسطے کے ساتھ امامؑ سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: (الخمس من خمسة اشیاء: من الغنائم والغوص و الکنوز والمعادن والملاحة...)[2]

ترجمہ: پانچ چیزوں پر خمس دینا واجب ہے: ۱۔ غنائم، ۲۔ تیراکی، ۳۔ خزانے، ۴۔ معادن، ۵۔ کشتیرانی۔

یہاں امامؑ نے ایک اور کمائی یعنی کشتیرانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ خمس کا اطلاق ہر طرح کی مطلق کمائی پر ہوتا ہے۔

امام موسی کاظمؑ سے نقل کرتے ہوئے عمران بن موسی کہتے ہیں: (قرات علیه آیة الخمس، فقال: ما کان لله فهو الرسوله و ما کان لرسوله فهو لنا، ثم قال: والله لقد یسر الله علی المومنین ارزاقهم بخمسة دراهم جعلوا لربهم واحدا واکلوا اربعة حلالاً)[3]

ترجمہ: میں نے امامؑ کے لئے آیہ خمس کی تلاوت کی، فرمایا:

جو خدا کے لئے ہے، رسول اللہؐ کے لئے ہے اور جو رسولؐ کے لئے ہے وہ ہمارے لئے ہے۔ خدا نے کام کے معاملے پر مومنین کو آسانی بخشی ہے اور ہر پانچ درہم پر صرف ایک درہم ادا کرنے کو ان پر واجب قرار

۱۔ ایضاً، حدیث ۸۔
۲۔ ایضاً، پہلا باب، قسمۃ الخمس کے ابواب میں سے، حدیث ۸۔
۳۔ وسائل الشیعہ، ج۶، باب ۱ از ابواب ما یجب فیہ الخمس، حدیث ۶۔

دے دیا ہے جبکہ باقی چار درہم کو ان کے لئے حلال قرار دیا ہے۔

لفظ "ارزاقهم" (لوگوں کی روزی) اس بات کی علامت ہے کہ امامؑ کا مقصد مطلق کمائی ہے، کیونکہ لوگوں کی روزی کا انحصار جنگی غنائم پر نہیں تھا۔

اس کے علاوہ بھی جنگی غنائم تمام لوگوں کی بجائے صرف جہاد کرنے والوں کے لئے ہیں۔ امامؑ کا روئے سخن عام لوگوں کی طرف ہے اس لئے حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: صرف وہی افراد اس قانون پر عمل کر سکتے ہیں خدا کو شریعت پر عمل کرنے کے لئے جن کے دلوں کا امتحان لینا مقصود ہو۔

امام رضاؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ:

شیخ صدوق کہتے ہیں: امام رضاؑ کے خطوط میں سے ایک خط میں یوں آیا ہے: (ان الخمس بعد المؤونة)[۱]؛ یعنی: خمس، تمام اخراجات کے بعد ہے۔

یہ جملہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ حدیث لوگوں کی کمائیوں کے بارے میں ہے، کیونکہ غنائم پر خمس کی ادائیگی عام لوگوں کی ذمہ داری نہیں، بلکہ اسلامی حکام کی ذمہ داری ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ کا روئے سخن یہاں عام لوگوں کی طرف ہے۔

"فقہ الرضا" میں امامؑ سے منقول ہے کہ امامؑ فرماتے ہیں:

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، بارہواں باب، ما یجب فیہ الخمس کے ابواب میں سے، حدیث ۲۔

(كل اما افاده الناس فهو غنيمة، لا فرق بين الكنوز والمعادن والغوص ومال الفيىء الذى لم يختلف فيه وهو مادعى فيه الرخصة، وهو ربح التجارة، و غلة الضيعة وسائر الفوائد من المكاسب والصناعات، والمواريث وغيرها لان الجميع غنيمة وفائدة ومن رزق الله عزوجل، فانه روى ان الخمس على الخياط من ابرته والصانع من صناعه، فعلى كل من غنم من الوجوه مالا فعليه الخمس)[1]

ترجمہ: "ہر وہ چیز جسے لوگ کماتے ہیں، غنیمت سمجھی جائے گی چاہے وہ چیز خزانہ ہو، معادن (کانیں) ہوں، چاہے تیراکی کے ذریعے ہاتھ آئی ہوئی کوئی چیز ہو، یا کسی ایسی جنگ کے دوران ہاتھ آئی ہوئی کوئی چیز ہو جس کے لئے صف آرائی نہ کی گئی ہو اور (یہاں تک کہ) وہ چیز جس کے بارے میں یہ دعوا کیا جاتا ہے کہ اس پر کوئی خمس نہیں یعنی تجارت کا فائدہ اور مزارع اور باغات کی محصولات؛ یہ تمام چیزیں خداوند کی غنیمت، مفادات اور روزی ہیں۔" ایک اور روایت میں ہے: "حتی کہ درزی کو اپنی سوئی اور صنعتگر کو اپنی صنعت پر خمس ادا کرنی چاہیے۔ جو شخص، جس کام سے بھی کوئی چیز کماتا ہے، چاہیے کہ اس پر خمس ادا کرے۔"

اہل تشیع سے تعلق رکھنے والے کسی شخص نے امام رضاؑ کے نام ایک خط لکھا جس میں خمس کے بارے میں امامؑ سے سوال پوچھا۔ امامؑ نے اس کے جواب میں لکھا:

۱۔ فقہ الرضاؑ، ص ۴۰؛ مستدرک الوسائل، ج ۷، ص ۲۸۴، باب وجوب الخمس فیما یفضل عن موونۃ السنۃ۔

(ان الخمس عوننا علی دیننا و علی عیالاتنا و علی موالینا و ما نبذل و نشتری من اعراضنا ممن نخاف سطوتہ، فلا تزووہ عنا و لا تحرموا انفسکم دعاءنا ما قدرتم علیہ فان اخراجہ مفتاح رزقکم و تمحیص ذنوبکم و ما تمہدون لانفسکم لیوم فاقتکم...)[1]

ترجمہ: "خمس ہمارے دین، گھرانے اور دوستوں کی امداد کے لئے ہے، ہم اسے خرچ کرتے ہیں تاکہ اپنی آبرو کا تحفظ کر سکیں اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ اس لئے اسے (خمس کو) ہم سے واپس نہ لینا اور جہاں تک ممکن ہو ہمیں اپنی دعاؤں سے بے بہرہ نہ کرنا۔ خمس کی ادائیگی، تمہاری روزی اور گناہوں سے پاکی کی چابی اور تنگدستی کے دنوں میں تمہارا ذخیرہ ہے..."

خراسان کے شیعیان میں سے ایک گروہ امام رضاؑ کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ امامؑ ان پر واجب خمس حلال کر دیں۔ امامؑ نے فرمایا:

(ما امحل ھذا تمحضونا المودة بالسنتکم و تزوون عنا حقاً جعلہ اللہ لنا و جعلنا لہ، و ھو الخمس لا نجعل احداً منکم فی حل)[2]

ترجمہ: "میں یہ درخواست نہیں مانوں گا۔ تم لوگ، اپنی زبان سے (تو) ہماری محبت کا اقرار کرتے ہو لیکن عمل میں ہمارے لئے خدا کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حق (یعنی خمس) کو جس کے لئے خدا نے

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ٦، ابواب انفال میں سے تیسرا باب، حدیث ۲۔

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ٦، ابواب انفال میں سے تیرہواں باب، حدیث نمبر ۳۔

صرف ہمارا انتخاب کیا ہے، واپس لے لیتے ہو۔ ہم خمس کو تم سے کسی پر حلال نہیں کریں گے۔"

امام جوادؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ:

محمد بن حسن اشعری نے امام جوادؑ کو ایک خط لکھا اور ان سے خمس کے بارے میں سوال کیا۔ اس کے خط کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

(اخبرنی عن الخمس اعلی جمیع ما یستفید الرجل من قلیل وکثیر من جمیع الضروب ولی الصناع وکیف ذلک؟ فکتب بخطه)[1]

ترجمہ: "میں نے ان (امامؑ) کے حضور لکھا: مجھے خمس سے آگاہ کیجئے۔ کیا انسان کی ہر کمائی۔۔ کم یا زیادہ ۔۔ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے؟ اور کیا صنعتگروں کو بھی خمس ادا کرنا چاہیے؟ اس کی ادائیگی کا طریقہ بتا دیں۔ امامؑ نے جواب میں لکھا: تمام اخراجات کے حساب کتاب کے بعد ان کا ۱/۵ حصہ ادا کیا جائے۔"

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد تقیؑ کے زمانے (۲۰۳ ۔۔ ۲۲۰) میں بھی شیعوں کے نزدیک خمس کی ادائیگی ایک مسلم امر کی حیثیت رکھتی تھی۔ تاہم مذکورہ شخص کو اس کی ادائیگی کے طریقے میں زیادہ معلومات نہ تھیں جس کے لئے اس نے امامؑ کو خط لکھا۔

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، آٹھواں باب، خمس کے واجب ہونے کے ابواب میں سے، حدیث ۱۔

علی بن مہزیار کے نام اپنے ایک خط میں (جو ۲۲۰ھ میں لکھا گیا) امام محمد تقیؑ خمس کے مسئلے کے بارے میں مفصل طور پر تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

(والغنائم والفوائد یرحمك الله فهی الغنیمة یغنمها المرء والفائدة یفیدها والجائزة من الانسان للانسان التی لها خطر، والمیراث الذی لا یحتسب من غیر اب ولا ابن...)[۱]

آیہ غنیمت کی تفسیر کے بعد امامؑ فرماتے ہیں: غنائم اور فوائد –خدا تجھے بخش دے –وہ چیزیں ہیں جو انسان حاصل کرتا ہے اور ایسے فوائد ہیں جو اسے ملتی ہیں اور وہ بیش قیمت تحائف ہیں جو انسان کو دی جاتی ہیں اور ایسی میراث ہے جس کے ہاتھ آنے کی انسان کو توقع نہیں ہوتی، ان تمام چیزوں پر خمس ادا کرنا واجب ہے۔" اس کے بعد امامؑ خمس کے باقی پہلوئوں کی تشریح فرماتے ہیں۔

امام علی نقیؑ اور کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ:

علی بن محمد بن شجاع نیشاپوری کہتے ہیں: میں نے دسویں امام یعنی امام علی نقیؑ سے پوچھا: ایک شخص جس نے اپنے کھیتوں میں سو کر[۲] گندم اگائے جن میں سے ۱/۱۰ حصہ زکات کے نام پر اس سے لے لئے

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، آٹھواں باب، خمس کے واجب ہونے کے ابواب میں سے، حدیث نمبر ۱

۲۔ ہر "کر" تقریباً ۳۴۷ کلو گرام کے برابر ہے۔

گئے ہیں اور تیس " کر" اس کے اخراجات پر خرچ ہو گئے، اور اب اس کے لئے صرف ساٹھ " کر" باقی رہ گئے ہیں۔ اسے کیا کرنا چاہیے ؟ امامؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا: اپنے روزمرہ کے اخراجات الگ کرکے باقی ماندہ مقدار کا ۵/۱ حصہ ادا کرے۔

امام علی نقیؑ نے یہ حکم اپنی امامت کے دوران (۲۲۱، ۲۵۴) میں جاری فرمایا ہے۔

ابو علی بن راشد کہتے ہیں: میں نے امام علی نقیؑ کی خدمت میں عرض کیا: آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے احکام بجا لاؤں اور شیعوں سے آپ کا حق حاصل دریافت کروں۔ میں نے یہ پیغام شیعوں کو منتقل کر دیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: ہمارے اموال میں امامؑ کا حصہ کیا ہے ؟ میں ان کے جواب میں کیا کہوں ؟

امام علی نقیؑ نے فرمایا: (یجب علیھم الخمس) (۵/۱ حصہ ادا کر دیں)۔

میں نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا: تمام چیزوں میں سے ؟

امامؑ نے فرمایا: تمام اوزار اور آلات اور صنعتی چیزوں میں سے۔

میں نے کہا: کیا تاجروں کو بھی کچھ ادا کرنا ہوگا؟

امامؑ نے فرمایا: (روزمرہ کے) ضروری اخراجات الگ کرنے کے بعد۔[۱]

یہاں ہم انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے قارئین کو حدیث کے آثار کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، آٹھواں باب، خمس کے واجب ہونے کے ابواب میں سے، حدیث ۳۔

معلوم ہوا کہ خمس کا دائرہ کار کافی وسیع ہے اور کمائی پر خمس کی ادائیگی صرف شیعوں سے مخصوص نہیں بلکہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ صرف اتنا ہے کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد رشتہ داروں کے حقوق کی طرح یہ مسئلہ بھی فراموشی کی نذر ہو کر رہ گیا۔

کتاب "خمس" کے مصنف نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

مجھے آٹھ انتہائی اہم اور حیرت انگیز چیزیں معلوم ہوئی ہیں جن میں سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ خمس کے واجب ہونے کے بارے میں ائمہ معصومینؑ نے کچھ نہیں کہا حالانکہ شیعوں کو چاہیے کہ وہ ائمہؑ کے اقوال پر انحصار کریں اور ائمہ (علیہ السلام) کے اقوال علماء کے فتوؤں کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔[1]

ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ کے لئے ائمہ اطہارؑ کی چودہ روایات بیان کر دیں۔ آپ کس طرح دعوی کرتے ہیں کہ خمس کے بارے میں ائمہؑ کے ہاں کچھ نہیں آیا۔ تو پھر یہ منقول روایات کیا ہیں؟

پس مان لینا چاہیے کہ مذکورہ کتاب کا مصنف یا تو جاہل ہے یا تجاہل کا مظاہرہ کر رہا ہے!

۱۔ خمس، قرآن اور اہل بیت علیہ السلام کی نگاہ میں، ص ۷

دوسرا باب

ایسی روایات کی تشریح جو شیعوں پر خمس کے
مباح ہونے پر دلالت کرتی ہیں

خمس کے بخش دینے کا راز

اگرچہ خمس کی ادائیگی ایک قرآنی اور حدیثی اصول ہے اور تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خمس ادا کریں، پھر بھی ضرورت اور مصلحت کی بناپر چند خاص مواقع پر ائمہؑ نے اپنے پیروکاروں کو خمس ادا نہ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ لیکن ان بعض مواقع پر معاف کئے ہوئے خمس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو مکمل طور پر ایک شرعی حکم سمجھا جائے۔ چونکہ بعض موقعوں پر اس شرعی حکم پر عمل کرنا مشکلات کا باعث بن سکتا تھا اس لئے مصلحتاً ان کے لینے سے پرہیز کیا جاتا تھا۔ اسی دوران دیگر مقامات پر خمس کا حکم جوں کا توں باقی تھا اور ائمہؑ اور ان کے وکلاء اسی طرح خمس وصول کرتے تھے۔

ایسی روایات جن میں خمس کے معاف کردینے کی بات ہوئی ہیں، تین گروہوں پر مشتمل ہیں:

پہلا گروہ: تین چیزوں پر مشتمل ہے:

۱۔ غنائم جنگی پر خمس: جو خلفاء اہل بیتؑ کو ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے حالانکہ آیہ خمس خود صراحت سے یہ بیان کرتا ہے کہ خمس کا

ایک حصہ "ذوالقربی" کے لئے ہے لیکن غنائم اس ہاتھ سے اس ہاتھ پہنچتے جن میں سے ایک قلیل مقدار شیعوں کے حصے میں آتی۔

۲۔ تجارتی سامان: جو خمس کی ادائیگی کے بغیر ہی شیعوں کے اختیار میں تھا۔

۳۔ انفال: ایسی زمینیں جو کسی جنگ اور خونریزی کے بغیر ہی اسلامی حکومت کے زیر نگیں چلی آتیں بشمول جنگل اور پہاڑ وغیرہ جو رسول اللہؐ اور ان کے بعد امامؑ کے لئے ہیں۔

ہم یہاں پہلے گروہ کی تینوں اقسام کی تشریح پیش کر رہے ہیں:

۱۔ غنائم پر خمس:

اموی اور عباسی خلفاء کے دور خلافت میں اہل کتاب اور مشرکین کے خلاف جنگیں لڑی جاتیں اور حاصل شدہ غنیمت اسلامی ملک میں اس ہاتھ سے اس ہاتھ پہنچتی۔ لیکن خلفاء کسی صورت بھی ان غنائم کے خمس کا وہ حصہ جو "ذوی القربی" کے لئے تھا، ادا نہ کرتے۔ ایسے حالات میں شیعہ بھی جو اسی معاشرے کا حصہ تھے اور انہی اموال کے ساتھ لوگوں کے ساتھ لین دین کرتے تھے اور ایسی غنیمت جس پر خمس ادا نہیں ہوا ہوتا تھا ان کے ہاتھوں تک پہنچتی۔

اس مشکل کو برطرف کرنے اور شیعوں کی زندگی سے گرہ گشائی کے لئے ان کے رہنماؤں نے شیعوں پر غنائم پر خمس کی ادائیگی معاف کردی تاکہ کنیزوں کے ساتھ ان کی شادیاں اور ان کے پاس مال و دولت سے کاروبار شرعی لحاظ سے جائز اور حلال ہو جائے۔

آئمہ علیہم السلام کے توسط سے خمس کے بخش دینے والی روایات میں سے اکثر روایات صرف ایسے اموال پر خمس کے حلال ہونے سے مربوط ہیں۔ یہاں ہم سرسری طور پر ایسی چند روایات پیش کرتے ہیں تاکہ واضح ہوجائے کہ خمس کی معافی ایسے موقعوں سے مخصوص ہے:

۱۔ امام محمد باقرؑ حضرت امیر المومنینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ مولاؑ فرماتے ہیں:

(ھلک الناس فی بطونھم و فروجھم لانھم لم یودوا حقنا، الا وان شیعتنا من ذلک وآباؤھم فی حل)

ترجمہ: لوگوں کو پیٹ اور شہوت نے بدبخت بنا دیا ہے کیونکہ انہوں نے ہمارا حصہ ادا نہیں کیا۔ ہمارے شیعہ اور ان کے باپ دادا پر یہ ادائیگی معاف کردی گئی ہے۔

لفظ "فروجھم" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث کنیزوں کے بارے میں ہے۔ فطری بات ہے کہ یہاں "بطونھم" کے لفظ سے مراد وہ جنگی غنائم ہیں جن پر قبضے کے بعد لوگ انہیں فروخت کرتے اور خاندان رسالت کا خمس دیئے بغیر ان کے پیسوں سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ پس اس حدیث کا خمس کے دیگر موارد سے کوئی سروکار نہیں۔

۲۔ ضریس کناسی کہتے ہیں: امام صادقؑ نے فرمایا:

(اتدری من این دخل علی الناس الزنا؟ فقلت: لا ادری۔ فقال: من قبل خمسنا اھل البیت الا لشیعتنا الاطیبین فانه محلل لھم و لمیلادھم)

ترجمہ: کیا تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں کے درمیان غیر شرعی نزدیکی کہاں سے شروع ہوئی ہے؟ ضریس کناسی: مجھے نہیں معلوم: امام صادقؑ نے فرمایا: خاندان رسالت کے خمس کے خطے سے، ہمارے پاکیزہ شیعوں کے علاوہ کہ ہم نے اسے ان کے لئے اور ان کی پیدائش کے پاک ہونے کے لئے معاف کردیا۔

مذکورہ حدیث میں (دخل علی الناس الزنا)، (لشیعتنا الاطیبین) اور (ولمیلادھم) کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس کے معاف کردینے کا تعلق ان کنیزوں سے ہے جو اہل بیتؑ کے حقوق ادا کئے بغیر جنگی غنائم کے طور پر لوگوں کے درمیان خرید وفروخت کی جاتی تھیں۔[1]

۳۔ ابوخدیجہ کہتے ہیں: میں امام صادقؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے امامؑ سے عرض کیا: مجھ پر عورتوں کو حلال کردیں! امام صادقؑ ناراض ہوگئے۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک اور شخص نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا: اس شخص کی مراد ہر عورت نہیں بلکہ وہ غلام ہے جسے وہ خریدتا ہے یا وہ عورت (کنیز) ہے جس سے وہ شادی کرتا ہے، یا وہ میراث ہے (جنگی غنائم میں سے) جو اسے ملتی ہے، یا تجارت ہے یا پھر وہ تحفہ ہے جو اسے ملتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: ہمارے شیعوں پر یہ تمام چیزیں حلال ہیں۔[2]

یہ کہ راوی نے عورتوں کے بارے میں سوال کیا اور وہاں موجود ایک اور شخص نے اس کی بات کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ:

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۶، چوتھا باب۔ ابواب انفال میں سے، حدیث نمبر ۳۔

۲۔ وسائل الشیعہ، ج۶، چوتھا باب، ابواب انفال میں سے۔ حدیث ۴۔

"عورت سے مراد خادم اور وہ عورت ہے جس سے شخص اول ازدواج کا خواہشمند ہے، اور شخص اول کی مراد میراث، تجارت اور تحائف تھے" اس بات کی علامت ہے کہ یہاں ان جنگی غنائم پر خمس کے معاف کردینے کا ذکر ہوا ہے جو خلفائے وقت کے اختیار میں تھے اور یہ خلفاء اہل بیتؑ کا حصہ دینے سے احتراز کیا کرتے تھے۔ امامؑ نے اس بارے میں شیعوں کو معاف کردیا۔

۴۔ محمد بن مسلم دو امام (امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ) میں سے کسی ایک سے نقل کرتے ہیں:

(ان اشد ما فیہ الناس یوم القیامۃ ان یقوم صاحب الخمس فیقول یا رب خمسی، و قد طیبنا ذلک لشیعتنا لتطیب ولادتھم و لتزکو اولادھم)[1]

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں کے لئے سب سے مشکل مرحلہ یہ ہے کہ خمس کا مستحق کہے کہ خدایا میرا خمس کہاں گیا؟ لیکن ہم نے اسے اپنے شیعوں کے لئے حلال کردیا تاکہ ان کی نسل پاکیزہ رہے۔

یہاں تک ہم نے نہایت تفصیل سے چند روایات بیان کیں۔ اب ہم دیگر روایات میں موجود شواہد کی طرف اشارہ کریں گے۔

حارث بن مغیرہ کی روایت میں یہ جملہ آیا ہے:

(فلم احللنا اذا لشیعتنا الا لتطیب ولادتھم)[2]

حدیث فضیل میں ایک جملہ یوں ہے:

۱۔ ایضاً، حدیث نمبر ۵۔

۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، چوتھا باب، ابواب انفال میں سے۔ حدیث ۹۔

(اناا حللنا امہات شیعتنا لا بائھم لیطیبوا)[۱]

زرارہ کی روایت میں یہ جملہ یوں آیا ہے:

(حللھم من الخمس لیطیب مولد ھم)[۲]

امام صادقؑ سے اسحاق بن یعقوب کی روایت میں یوں آیا ہے:

(لتطیب ولا دتھم ولا تخبث)[۳]

امام حسن عسکریؑ کی روایت میں آیا ہے:

(لتحل لھم منافعھم من ماکل و مشرب و لتطیب موالیدھم ولا یکونا و لا دھم اولا د حرام)[۴]

مذکورہ بالا روایات پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خمس کو معاف کردینے کا تعلق صرف جنگی غنائم، کنیزوں اور ایسے اموال سے تھا جو جنگی غنائم کے نام پر حاصل کئے جاتے تھے اور پھرتے پھراتے شیعوں تک بھی پہنچتے جو اس مال کے ساتھ اپنا کاروبار کرتے تھے۔ اس لئے مذکورہ روایات صرف اسی مسئلے سے ہے جس کا تعلق بالکل بھی دوسرے موارد سے نہیں۔

۲۔ خمس پر عقیدہ نہ رکھنے والے لوگوں کے اموال:

اموی اور عباسی حکماء کی تبلیغ کی وجہ سے کمائی پر خمس کے اطلاق کا مسئلہ فراموشی کی نذر ہوگیا اور ایسے اموال پھرتے پھراتے یا تجارت،

۱۔ ایضاً، حدیث نمبر ۱۰

۲۔ ایضاً، حدیث نمبر ۱۵

۳۔ ایضاً، حدیث نمبر ۱۶

۴۔ ایضاً، حدیث نمبر ۲۰

معاشرت یا میراث کے ذریعے شیعوں کو منتقل ہونے لگا جبکہ درحقیقت ان کا ۵/۱ حصہ ائمہؑ کے لئے ہونا چاہیے تھا۔ اس لئے شیعہ ائمہؑ سے پوچھا کرتے تھے کہ ان اموال کے ساتھ کیا کیا جائے۔ کیا ان پر خمس واجب ہے یا نہیں؟ امامؑ شیعوں کی گرفتاری کے پیش نظر اور یہ سوچ کر کہ اگر شیعہ دوسروں کا خمس ادا کرنے لگیں گے تو انہیں صرف نقصان ہی ہوگا، اپنے شیعوں کو ایسے اموال پر خمس کی ادائیگی سے منع فرمایا کرتے تھے۔

ہم نے ابوخدیجہ کی روایت میں بھی دیکھا کہ ایک شخص نے امامؑ سے میراث، تحائف یا اپنے دیگر موجودہ اموال پر خمس کی معافی کی درخواست کی۔ دراصل وہ ایسے اموال کی بات کر رہا تھا جن پر خمس ادا نہیں کیا گیا تھا اور جو اسی حالت میں اس تک پہنچے تھے۔

۳۔ انفال:

قرآنی آیات کے مطابق انفال اللہ، رسول،[۱] رسول کے قرابتدار، ایتام، مساکین اور اس خاندان کے مسافران غربت زدہ کے لئے ہے۔[۲]

جبکہ جنگی غنائم کا تعلق جہاد کرنے والوں سے ہے جس کا خمس خدا اور اس کے رسولؐ کا حصہ ہے جبکہ فتح شدہ زمینوں پر عام مسلمانوں کو اختیار حاصل ہے لیکن انفال خدا، اس کے رسولؐ اور اس کے قرابتداروں کے لئے ہے جس کا اختیار امامؑ پاس ہوتا ہے۔

۱۔ انفال: ۱۔

۲۔ حشر: ۷۔

ایک ایسے دور میں کہ جب تمام اموال پر اموی اور عباسی غاصب حکومتوں کو اختیار حاصل تھا، شیعوں کی گرفتاری کے پیش نظر امامؑ نے اپنے شیعوں پر انفال کی خرید و فروخت اور استعمال کی تجویز پیش کیا ہے۔ انفال کے سب سے اہم حصے وہ زمینیں ہیں جو اسلامی حکومت کو بغیر کوئی جنگ کئے نصیب ہوئیں اس کے علاوہ بنجر زمینیں، دشت، صحرا اور جنگل ہیں جن پر خمس کی ادائیگی سے امامؑ نے اپنے شیعوں کو ان کی آسانی کے لئے بری قرار دیا ہے۔ یہاں ہم اس بارے میں صرف ایک روایت پر اکتفاء کرتے ہیں:

مسمع بن عبدالملک جس کا لقب ابوسیار تھا، کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ امامؑ نے فرمایا: ہم نے تمہارا مال تمہیں بخش دیا، نہ صرف تمہیں ہر وہ زمین جو ہمارے شیعہ کے قبضے میں ہے، وہ انہیں مکمل آزادی کے ساتھ استعمال کریں۔ یہ آزادی امام زمانہؑ کے ظہور کے دن تک رہے گی۔ جب وہ آئے گا تو ان (شیعہ) کے پاس موجود زمینوں کا ٹیکس اور کرایہ وصول کرلے گا۔[1]

جو کچھ ہم نے یہاں بیان کیا وہ وہی کچھ ہے جو امامیہ فقہاء کہتے ہیں یعنی حلال قرار دینے کا تعلق صرف جنگی غنائم، ایسے اموال جن پر خمس ادا نہیں کیا گیا اور انفال سے ہے۔

۱۔عن ابی سیار مسمع بن عبدالملک عن الصادق علیہ السلام، قلت لہ: انا احمل الیک المال کلہ؟ قال: یا ابا سیار! قد طیبناہ لک، و حللناک منہ فضمّ الیک مالک و کل ما کان فی ایدی شیعتنا من الارض فھم فیہ محللون و محلل لھم ذلک الی ان یقوم قائمنا، (وسائل الشیعہ، ج ۶، ص ۳۸۲، انفال کے ابواب میں سے چوتھا باب، حدیث نمبر ۱۲۔

دوسرا گروہ: غرباء کے لئے خمس کو معاف قرار دینا:

بعض روایات میں خمس کو حلال قرار دینے کا تعلق ایک خاص زمانے سے ہے۔ اس زمانے سے جب شیعہ فقر اور غربت کی زندگی گزار رہے تھے، امامؑ نے ان جیسے کم آمدنی رکھنے والوں کو خمس کی ادائیگی سے بری قرار دیا ہے۔ اس بارے میں درج ذیل روایت ملاحظہ فرمایئے:

یونس بن یعقوب کہتے ہیں: میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص جس کا کام کپڑے فروخت کرنا تھا، وہاں آیا اور امامؑ سے عرض کیا: میری جان آپ پر فدا! ہمارے پاس ایسا مال ہے جس میں آپ کا حصہ بھی ہے لیکن ہم آپ کا حصہ پہنچانے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

امام صادقؑ نے اس سے فرمایا: (ما انصفناکم ان کلفناکم الیوم)[1] یعنی: ہم اگر آج تمہیں مجبور کریں کہ وہ (خمس) ادا کردو تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) ہم نے تمہارے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا۔

علی بن مہزیار کہتے ہیں: میں نے ایک ایسا خط پڑھا جس میں ایک شخص نے امام جوادؑ سے درخواست کی تھی کہ امامؑ کھانے پینے کی چیزوں پر خمس جو اس شخص پر واجب تھا، معاف کردیں۔ امامؑ نے جواب میں لکھا:

۱۔ وسائل الشیعہ، ج٦، انفال کے ابواب میں سے چوتھا باب، حدیث نمبر ٦۔

(من اعوزہ شیءِ من حقی فھو فی حل)[1] یعنی: جو غربت کی وجہ سے میرا حق ادا نہیں کر سکتا، میں نے اسے معاف کر دیا۔

تیسرا گروہ: ایک خاص وقت تک خمس کی ادائیگی کی معافی:

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خمس کی ادائیگی کی معافی ایک خاص وقت تک کے لئے تھی یعنی جب خمس کی ادائیگی اور اس کا استعمال مشکلات کا باعث بن سکتے تھے۔

امام صادقؑ جس وقت خمس کی تفسیر ان الفاظ میں فرما رہے تھے: (ھی واللہ الافادۃ یوماً بیوم۔۔۔)[2] یعنی: "خدا کی قسم! "غنیمت" کا مطلب لوگوں کی روزمرہ کمائی ہے لیکن میرے والد نے شیعوں کو اس بارے میں معاف کر دیا تاکہ ان کے اموال حرام ہونے سے پاک رہیں۔" اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملنے والی معافی کا تعلق ایک خاص دور اور زمانے سے تھا۔ شاید امام محمد باقرؑ کے زمانے میں ان تک خمس پہنچانا یا اس خمس کا استعمال مشکلات کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لئے امامؑ نے انہیں اس کی ادائیگی سے بری الذمہ قرار دیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام صادقؑ نے انہیں خمس کی ادائیگی سے نہیں روکا اور ان کے لئے اس بارے میں آیہ خمس کی تفسیر فرمائی ہے۔

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۶، انفال کے ابواب میں سے چوتھا باب، حدیث نمبر۶۔
۲۔ ایضاً، حدیث نمبر۲۔

بنی عباس کی حکومت کے دوران اور منصور عباسی کی خلافت کے دوران امام صادقؑ کے ساتھ روا رکھے ہوئے ان کی سختیوں کے پیش نظر اور ان سختیوں کو دیکھتے ہوئے جو ہارون نے امام کاظمؑ کے ساتھ کیں جن کے نتیجے میں بغداد میں ہارون کے زندان میں امامؑ کو زہر دے دیا گیا جو ان کی شہادت پر انجام پذیر ہوا، اور یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ کس طرح امام رضاؑ کو حکومت وقت کے زیر نگرانی خراسان لے جایا گیا، کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت خمس لینا اور ادا کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔[1]

معلیٰ بن خنیس جیسی بزرگ شخصیت کو صرف اس لئے مدینے کے حاکم نے گرفتار اور سزا دینے کے بعد شہید کردیا کہ وہ امام صادقؑ کے مالی امور کا وکیل تھا۔ اسے کافی مجبور کیا گیا کہ وہ ان لوگوں کے نام بتائے جو امام صادقؑ کو واجب حقوق ادا کرتے ہیں، لیکن اس نے اپنی زبان نہیں کھولی اور آخرکار اس راہ میں اپنی جان قربان کردی۔[2]

امام موسیٰ کاظمؑ کے مخصوص دوستوں میں سے محمد بن ابی عمیر نامی ایک شخص ہارون الرشید کے دور میں گرفتار ہوا تاکہ وہ امامؑ کے دوستوں کے نام بتائے یہاں تک کہ اسے سو ۱۰۰ کوڑے لگے۔ پھر بھی اس نے شیعوں کے نام بتانے سے انکار کیا۔[3]

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۶، خمس کے واجب ہونے کے سلسلہ میں آٹھواں باب، حدیث نمبر ۵۔
۲۔ کتاب الغیبہ، شیخ طوسی، ص ۲۱۰
۳۔ رجال نجاشی، ج ۲، ص ۲۴۰، نمبر ۸۸۸

ائمہ ؑ نے ایسے حالات میں شیعوں کو خمس کی ادائیگی سے بری قرار دیا لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ شیعہ ہمیشہ کے لئے معاف کردیئے گئے۔

محمد بن زید طبری کہتے ہیں: ایران کے تاجروں میں سے ایک شخص نے امام رضاؑ کے نام ایک خط لکھا اور امام ؑ سے درخواست کی کہ امام ؑ اسے اجازت دیں کہ وہ خود خمس کا استعمال کریں۔ امام ؑ نے خط کا جواب یوں تحریر فرمایا:

(لا یحل مال الا من وجه احل الله، ان الخمس عوننا علی دیننا و عیالاتنا و علی موالینا، و ما نبذل و نشتری من اعراضنا ممن نخاف سطوته، فلا تزووه عنا، ولا تحرموا انفسکم دعاءنا ما قدرتم علیه، فان اخراجه مفتاح رزقکم، و تمحیص ذنوبکم و ما تمهدون لانفسکم یوم فاقتکم والمسلم من یفی بما عهد الیه، ولیس المسلم من اجاب باللسان وخالف بالقلب والسلام)[1]

ترجمہ: کوئی مال اس وقت تک حلال نہیں ہوتا، جب تک خدا اسے حلال قرار نہ دے۔ خمس، دینی امور میں ہماری امداد، ہمارے خاندان اور ہمارے پیروکاروں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے ہے جس کے استعمال سے ہم ستمگاروں اور قدرتمندوں کے سامنے اپنی آبرو کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس جہاں تک ممکن ہو ہمیں خمس ادا کرنے سے دریغ مت کرنا اور خود کو ہماری دعاؤں سے محروم مت کرنا۔ خمس کی ادائیگی تمہاری روزی میں وسعت اور گناہوں سے تمہاری نجات کا

۱۔ وسائل الشیعہ، ج ٦، انفال کے ابواب میں سے تیسرا باب، حدیث نمبر ۲ اور ۳۔

باعث بنتی ہے اور یہ آخرت کے دن کی تنگدستی کے لئے ایک ذخیرہ ہے۔ مسلمان وہ ہے جو اپنے وعدوں پر عمل کرے، وہ نہیں جو اپنی زبان سے تو ساتھ دے لیکن دل سے نافرمانی کرے۔

اسی طرح امام رضاؑ کے پاس خراسان کے لوگوں کا ایک گروہ آیا اور امامؑ سے درخواست کی کہ امامؑ ان پر واجب خمس معاف فرمادیں جن کے جواب میں امامؑ نے فرمایا: میں یہ درخواست نہیں مانوں گا۔ (تم لوگ) زبان سے تو ہماری چاہت کا اقرار کرتے ہو لیکن ہمارے اس حق جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کر رکھا ہے، کی ادائیگی سے دریغ کرتے ہو؛ پھر اس جملے کا اضافہ فرمایا: خدا کی قسم! ہم اس حق کے لئے تم میں سے کسی کو معاف نہیں کریں گے۔[۱]

اس بارے میں پوچھے جانے والے بے شمار سوالات کو دیکھتے ہوئے سن ۲۲۰ مین امام جوادؑ کو مجبوراً تمام شیعوں تک اس مسئلے کے بارے میں حکم جاری کرنا پڑا۔ اپنے زمانے میں انہوں نے مھزیار کے نام ایک خط میں یوں لکھا: ماضی میں ہمارے دوستوں نے ہمارے حق ۔ خمس ۔ کی ادائیگی میں کوتاہی کا مظاہرہ کیا جس کے لئے میں انہیں معاف کرتا ہوں۔ اس سال یعنی سن ۲۲۰ ہجری کے بعد اس کی ادائیگی ان پر لازمی سمجھتا ہوں۔[۲]

حضرت ولی عصرؑ نے غیبت صغرا کے دوران خمس کے بارے میں پوچھے جانے والے سوال کا جواب ان لفظوں میں دیا:

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۶، تیسراں باب، انفال کے ابواب میں سے، حدیث نمبر ۳۔
۲۔ وسائل الشیعہ، ج۶، آٹھواں باب، حدیث نمبر ۵۔

(بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین علی من استحل من مالنا درھماً...)[1]

ترجمہ: خدا اور فرشتوں کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو ہمارے اموال میں سے ایک درہم کو بھی حلال تصور کریں۔

یہ وہ واحد خط نہیں جو امامؑ نے آپؑ کا حق ادا نہ کرنے والے لوگوں کے نام تحریر فرمایا ہے، بلکہ دوسرے خطوط میں بھی ایسے افراد سے بیزاری کا اظہار ملتا ہے۔[2]

بنی ہاشم پر زکات اور صدقات کا حرام ہونا:

اسلامی فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ بنی ہاشم بالخصوص پیغمبرؐ کے خاندان پر زکات اور صدقات حرام ہیں جس کی جگہ خدا نے ان کے لئے خمس مقرر کر دیا ہے۔

ایک روایت میں امامؑ فرماتے ہیں:

(انما جعل اللہ ھذا الخمس خاصة لھم دون مساکین الناس وابناء سبیلھم، عوضا لھم من صدقات الناس تنزیھا من اللہ لھم لقرابتھم من رسول اللہ وکرامة عن اللہ لھم من اوساخ الناس، فجعل لھم خاصة من عندہ ما یغنیھم بہ عن ان یصیرھم فی موضع الذل والمسکنة)[3]

۱۔ایضاً، انفال کے ابواب میں سے تیسرا باب، حدیث نمبر ۸۔

۲۔ایضاً، حدیث نمبر ۷ اور ۹۔

۳۔وسائل الشیعہ، ج ۶، قسمة الخمس کے ابواب میں سے پہلا باب، حدیث نمبر ۸۔ نیز قسمة الخمس کے ابواب میں سے تیسرا باب، دیکھئے حدیث نمبر ۲۔

ترجمہ: خدا نے خمس کو دیگر لوگوں کے یتامی، فقراء اور غربت زدہ مسافروں کے لئے نہیں بلکہ پیغمبرؐ کے خاندان کے یتامی اور فقراء کے لئے قرار دیا ہے تاکہ یہ لوگوں کے صدقے کا نعمل البدل ہو۔ اور انہیں لوگوں کے ہاتھوں کی میل وصول کرنے سے بالاتر قرار دیا تاکہ پیغمبرؐ سے نزدیک ہونے کی وجہ سے ان کے احترام کی حفاظت کرسکے۔ اس لئے یہ حق صرف انہی سے مخصوص ہے تاکہ انہیں لوگوں کے سامنے خوار وذلیل ہونے اور فرودستی سے بے نیاز کرے۔

اس اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ خمس کے معاف کردینے کا تعلق عام حالات کی بجائے صرف خاص اوقات سے تھا اور بنی ہاشم کے فقراء کی زندگیاں گزارنے کا دارومدار خمس پر ہے۔

اس لئے خزانوں اور معدنیات کے علاوہ بھی کمائی پر پر خمس کی ادائیگی نہ صرف ایک قرآنی اصول ہے، بلکہ پیغمبرؐ کی سنت اور ائمہ اطہارؑ کی روایات میں بھی اس کی ادائیگی پر کافی تاکید ہوئی ہے۔ لیکن افسوس کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد اس اصول پر عمل درآمد نہیں ہوا کیونکہ خلفاء بالخصوص اموی اور عباسی خلفاء نے ائمہؑ کے سامنے سرکشی کا مظاہرہ کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ائمہؑ کو معاشرے میں اقتدار اور قدرت حاصل ہو اس لئے انہوں نے قدرت و طاقت کے ایک سرچشمے یعنی خمس کی ادائیگی کا سلسلہ منقطع کردیا اور اس اصول کے اجراء کی مخالفت کرتے ہوئے سادات بنی ہاشم کو جنگی غنائم تک سے محروم کردیا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خمس کی ادائیگی کی معافی ہر جگہ اور ہمیشہ کے لئے نہیں،

کیونکہ خمس کا آدھا حصہ بنی ہاشم کے لئے ہے جو زکات سے پہلے ہی سے محروم ہیں۔ ایسے میں اگر ان کے تنگدست لوگوں کو خمس بھی نہ ملے تو ان کی مالی حالت دوسرے لوگوں سے بھی بدتر ہو کر رہ جائے گی۔ یقیناً پیغمبرؐ ایسا نہیں چاہتے۔

آئمہ علیہم السلام کے دور میں وکالت کی انجمنیں:

اموی اور عباسی خلفاء کی حکومتوں کے زمانے میں جب ائمہؑ سے ملاقات کرنا لوگوں کے لئے انتہائی مشکل تھا، ائمہؑ نے شیعوں کے درمیان چند افراد کا اپنے وکیل کے طور پر تعارف کرایا تاکہ لوگ ائمہؑ کے واجب حقوق ان کے حوالے کردیں۔ لوگوں کے لئے ائمہؑ کا وکیل بننے کی سب سے پہلی شرط متقی، عادل اور سچا ہونا تھا۔

اس کے علاوہ ایسے افراد شرعی احکام سے مکمل طور پر آگاہی رکھتے تھے اور لوگوں کے شرعی مسائل حل کرنے میں ان کی امداد کرتے تھے۔ ائمہؑ کے وکلاء میں سے بعض علم اور تقوی کے انتہائی بلند مقام پر فائض تھے جو خود ہی لوگوں کی طرف سے پوچھے جانے والے اکثر سوالات کے جوابات دینے پر قدرت رکھتے تھے جیسے عبدالرحمٰن بن حجاج، صفوان بن یحییٰ، علی بن مہزیار اھوازی، ایوب بن نوح اور عثمان بن سعید عمری۔

ائمہؑ کی زندگیوں کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام صادقؑ کے زمانے سے لے کر حضرت ولی عصر علیہ عجل اللہ فرجھ الشریف کے دور تک وکالت کا سلسلہ ایک منظم طور پر جاری رہا ہے لیکن

یہ سلسلہ کچھ اس انداز سے آگے بڑھتا کہ دشمن کو کسی طرح بھی اس کا علم نہ ہونے پاتا۔ جس زمانے میں لوگ شرعی واجبات ادا کرنے کے لئے امامؑ کے دروازے پر جاتے تھے، تب بھی امامؑ ان واجبات کو خود وصول نہ فرماتے بلکہ اس کام کے لئے انہوں نے ایک وکیل مقرر کر رکھا تھا۔

یمن کے شیعوں کی واپسی کے دوران امام حسن عسکریؑ کی ایک روایت میں ہم یوں دیکھتے ہیں:

امام حسن عسکریؑ سامرہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ شیعوں میں سے چند ایک ان کی خدمت میں موجود تھے۔ آپؑ کا خادم وارد ہوا اور کہنے لگا: آپؑ کے شیعوں میں چند لوگ غبارآلود چہروں کے ساتھ یمن سے آئے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: عثمان بن سعید عمری کو بلا لاؤ! عثمان بن سعید عمری آئے تو امامؑ نے فرمایا:

(امض یا عثمان فانک الوکیل والثقه المامون علی مال الله واقبض من هولاء النفر الیمنیین ما حملوه من المال)

ترجمہ: اے عثمان! ان کے پاس جاؤ۔ تو ایک قابل اعتماد وکیل اور خدا کے مال کا امانت دار ہو۔ جاؤ اور جو کچھ ہمارے شیعہ یمن سے لائے ہیں، وصول کرو۔

پھر امامؑ فرمانے لگے:

(ان عثمان بن سعید العمری وکیلی و ان ابنه محمداً وکیل ابنی مهدیکم)

ترجمہ: عثمان بن سعید عمری میرا اور ان کا بیٹا میرے بیٹے یعنی تم لوگوں کے مہدی (علیہ السلام) کا وکیل ہے۔

یہاں ہم ائمہؑ کے مالی امور کے وکلاء کے ناموں پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں تاکہ اس نکتے کی وضاحت ہو سکے کہ ائمہؑ کے دور میں خمس کی ادائیگی کی رفتار کم ضرور ہوئی ہے لیکن کبھی معطل نہیں ہوئی۔

آئمہ علیہم السلام کے چند وکلاء:

ا۔ معلّٰی بن خنیس:

مدینہ میں امام صادقؑ کے بہترین وکلاء میں سے تھے جو امامؑ اور شیعوں کے درمیان واسطہ ہونے کی وجہ سے شیعوں کی طرف سے ملنے والے شرعی واجبات وصول کرتے تھے۔ وہ بعض شیعہ نشین علاقوں کا سفر بھی کرتے تھے جہاں سے وہ امامؑ کے لئے ملنے والے تحائف اور اموال جمع کرکے انہیں مدینہ لے آتے تھے۔ منصور عباسی نے محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کے قیام کی حمایت کے الزام میں امام صادقؑ کو عراق بلایا۔ اس نے امامؑ پر یہ الزام بھی لگایا کہ امامؑ نے معلّٰی بن خنیس کو اموال جمع کرنے کے بہانے اس قیام کی حمایت کے لئے شیعہ نشین علاقوں کی طرف روانہ کیا۔ مدینہ کے حاکم داوود بن علی نے معلّٰی بن خنیس کو مجبور کیا کہ وہ امام صادقؑ کے تمام شیعوں کے نام گنوائے، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ معلّٰی بن خنیس نے کہا: تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ انہوں نے معلّٰی کی گردن اڑادی اور ان کا بدن دار پر لٹکا دیا

گیا۔ امامؑ نے داوود سے انتہائی مذمت آمیز انداز میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

(یاداوود قتلت مولای ووکیلی...)

ترجمہ: اے داوود! تو نے میرے نزدیک ترین دوست اور وکیل کو قتل کر دیا اور اس کی موت پر اکتفاء نہیں کیا اور اس کے جسم کو دار پر لٹکا دیا...[۱]

۲۔ حمران بن اعین:

زرارہ بن اعین کے بھائی تھے۔ اپنی کتاب "رجال" میں شیخ طوسی نے اسے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے بتایا ہے اور اپنی غیبت کی کتاب میں ان کا نام وکلاء کے ناموں میں تحریر کیا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امام محمد باقرؑ کی وکالت کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے۔ اگر یہ احتمال ثابت ہو جائے تو وکالت کے آغاز کا زمانہ امام محمد باقرؑ اور ان سے پہلے کے ائمہؑ کے زمانوں سے جاملتا ہے۔[۲]

بلکہ اس وکالت کے سلسلے کا سرا امام حسن مجتبیٰؑ کے زمانے میں بھی ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب ایک شخص نے امام حسنؑ سے مالی امداد

۱۔ رجال النجاشی، ص ۲۹۶؛ فہرست شیخ طوسی، ص ۱۶۵؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۱۸۱؛ رجال کشی، ص ۳۷۶ ــ ۳۸۱ وغیرہ

۲۔ غیب شیخ طوسی، ص ۲۰۹؛ رجال شیخ طوسی، ص ۱۱۷ اور ۱۸۱؛ تنقیح المقال، ج ۱، نمبر ۳۳۵۱

طلب کی، امامؑ نے اپنے وکیل کو بلایا اور اس شخص کی زندگی کے تمام اخراجات ادا کیئے۔[1]

۳۔ نصر بن قاموس لخمی:

شیخ طوسی کہتے ہیں: وہ ایک فاضل، نیک انسان تھے۔ جو بیس سال تک امام صادقؑ کی وکالت کے فرائض انجام دیتے رہے۔[2]

۴۔ عبدالرحمٰن بن حجاج:

امام صادقؑ کے وکیل تھے جنہوں نے امام رضاؑ کے زمانے میں وفات پائی۔[3]

۵۔ مفضل بن عمر جعفی:

شیخ طوسی ہشام بن احمر سے نقل کرتے ہیں کہ ہشام کہتے ہیں: میں مدینہ میں امام موسی بن جعفرؑ کے پاس کچھ اموال لے کر گیا۔ امامؑ نے فرمایا: یہ چیزیں مفضل بن عمر کے حوالے کردو۔ میں وہ تمام چیزیں لے کر مفضل کے گھر چلا گیا۔

شیخ طوسی ہشام سے ایک اور روایت کرتے ہیں: میں امام موسی بن جعفرؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کو کچھ ملا

۱۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۴۷ ــ ۳۴۸۔

۲۔ غیبت شیخ طوسی، ص ۳۴۷، شمارہ ۳۰۲؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۳۴۳

۳۔ غیبت شیخ طوسی، ص ۳۴۷، نمبر ۲۹۸ اور ۲۹۹۔

ہو مگر یہ کہ مفضل وہ چیزیں ان کے پاس لاتے۔ کبھی کبھار اگر لوگ آکر انہیں کوئی رقم دینے کی کوشش کرتے بھی تو وہ خود رقم نہ لیتے بلکہ فرماتے: مفضل کے حوالے کر دینا۔[۱]

۶۔ عبداللہ بن جندب بجلی:

امام موسیٰ بن جعفرؑ اور امام رضاؑ کا وکیل تھے جو ان کی نظر میں ایک بلند رتبہ اور عابد انسان تھے۔[۲]

۷۔ محمد بن سنان:

شیخ طوسی اسے قابل تعریف وکلاء میں گنتے ہیں۔

۸۔ علی بن مہزیار اہوازی:

اپنی کتاب "غیبت" میں شیخ طوسی اسے امام محمد تقیؑ کے وکلاء میں شمار کرتے ہیں[۳]۔ خمس کے واجب ہونے کے بارے میں بیان کی جانے والی روایات سے آپ ان کے مقام کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

۹۔ جمیل بن دراج:

شیخ نے اسے امام محمد تقیؑ کے وکلاء میں شمار کیا ہے۔

۱۔ غیبت شیخ طوسی، ص ۳۴۷، نمبر ۲۹۸ اور ۲۹۹۔

۲۔ ایضاً؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۲۷۴۔

۳۔ ایضاً، ص ۳۴۹، نمبر ۳۰۶۔

۱۰۔ علی بن جعفر ہمانی:

ابوطاہر بن بلال کہتے ہیں: میں نے علی بن جعفر ہمانی کو دیکھا کہ وہ نیاز مند لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔ جب میں واپس لوٹا تو امام حسن عسکریؑ کے نام خط میں انہیں اس بات سے آگاہ کیا۔ امامؑ نے میرے جواب میں لکھا: ہم نے اسے ایک لاکھ درہم خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ پھر رقم دگنی کردی، لیکن اس نے انکار کر دیا تاکہ ہمارے لئے کچھ بچ رہے۔ آخر لوگ ہمارے کاموں میں مداخلت کیوں کرتے ہیں؟ اس کے بعد علی بن جعفر امام حسن عسکریؑ کے پاس آیا اور انہیں تیس ہزار دینار دے دیئے۔[۱]

۱۱۔ ابو علی بن راشد:

بغداد، مدائن، کوفہ اور اس کے گردونواح میں رہنے والے شیعوں کے نام اپنے ایک خط میں امام حسن عسکریؑ نے لکھا: میں نے ابو علی حسین بن عبداللہ کی جگہ ابو علی بن راشد کا انتخاب کرلیا ہے اور اس کی اطاعت واجب قرار دے رہا ہوں؛ اس کی مخالفت کا مطلب میری مخالفت کرنا ہے۔[۲]

۱۲۔ صالح بن محمد بن ہمدانی:

امام محمد تقیؑ کے وکیل تھے، ایک دن امامؑ کے پاس گئے اور کہنے لگے:

۱۔ ایضاً، ص ۳۵۰، نمبر ۳۰۸؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۲۰۔

۲۔ غیبت شیخ طوسی، ص ۳۵۰، نمبر ۳۰۷؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۲۰۔

میں نے دس ہزار درہم خرچ کر دیئے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔[1]

۱۳۔ علی بن ابی حمزہ بطائنی:

۱۴۔ زیاد بن مروان قندی:

۱۵۔ عثمان بن عیسی:

مذکورہ بالا تینوں اشخاص امام موسی بن جعفرؑ کے مالی وکلاء تھے لیکن اپنے پاس موجود کافی اموال میں سے امام رضاؑ کو کچھ نہیں دیا اور اس طرح ان کے وسیلے سے واقفہ گروہ کی تشکیل عمل میں آئی۔[2] شروع میں نیک لوگ تھے لیکن بعد میں منحرف ہوگئے۔

۱۶۔ عثمان بن سعید عمری:

امام محمد تقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے وکلاء میں سے تھے۔ شیخ طوسی کہتے ہیں: شیعہ جب بھی امام حسن عسکریؑ کے پاس کچھ لے کر جاتے تو امامؑ فرماتے تھے: عثمان بن سعید کے حوالے کر دینا۔[3]

۱۷۔ ابو جعفر محمد بن عثمان بن سعید عمری:

شیخ طوسی لکھتے ہیں:

۱۔ غیبت شیخ طوسی، ص ۳۵۱، نمبر ۳۳۱

۲۔ رجال طوسی، ص ۳۵۲۔

۳۔ ایضاً، ص ۳۵۴، نمبر ۳۱۴۔

انو نصر سے روایت ہے: ابو جعفر عمری نے سن ۳۰۴ ہجری میں وفات پائی۔ وہ کئی سال تک ائمہ کے وکیل رہے۔[۱]

۱۸۔ حسین بن روح نو بختی:

شیخ طوسی ابن خرداد سے نقل کرتے ہیں: میں محمد بن عثمان عمری کے پاس کچھ اموال لے کر گیا تاکہ انہیں صاحبؑ تک پہنچا دے۔ انہوں نے کہا: یہ تمام چیزیں حسین بن روح کے حوالے کر دو۔ اس کے بعد میں ہمیشہ تمام اموال حسین بن روح کے حوالے کر دیا کرتا تھا۔[۲]

مذکورہ بالا تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ امام صادقؑ کے زمانے سے شیعہ اپنے تمام شرعی واجبات جن میں سے اکثر خمس سے تعلق رکھتے تھے، خاص حالات میں ائمہ تک پہنچایا کرتے تھے۔ ائمہ تک رسائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے غالباً وہ تمام چیزیں ائمہ کے وکلاء کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔

۱۔ ایضاً، ص ۳۶۶، نمبر ۳۳۴

۲۔ ایضاً، ص ۳۲۵، نمبر ۳۶۷۔

تیسرا باب

خمس کا فریضہ اور عصر غیبت کے فقہاء

غیبت کے زمانے میں فقہاء کو خمس کی ادائیگی:

غیبت امام عصرؑ کے زمانے میں جامع الشرائط فقہاء کو خمس کی ادائیگی وہ مسئلہ ہے جس پر کتاب کے مصنف نے سب سے زیادہ تاکید کی ہے۔ اسے خمس کے واجب ہونے یا نہ ہونے یا اس کی ادائیگی کرنے یا نہ کرنے کی کوئی فکر نہیں بلکہ اسے یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ یہ خمس فقہاء کو کیوں ادا کیا جاتا ہے۔ ہم سب یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ مرجعیت تشیع کی بقاء اور اس کے پھیلاؤ میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے جو ہر دور اور زمانے میں شیعہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی قدرت رکھتی ہے۔ آج چونکہ تشیع اور اس کے پھیلاؤ کو تقریباً پوری دنیا کی طرف مشکلات کا سامنا ہے، اس لئے تمام مخالف ذہنوں اور افکار کی سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ وہ تشیع کی بنیادوں کو نقصان پہنچا سکیں اور اس عمل کے لئے مرجعیت کو کمزور کرکے ایک بار پھر ایران پر جہاں شیعہ ایک معتبر مقام پر فائز ہیں، اپنی حکومت کا آغاز کریں۔

سب سے پہلے یہ یاد دلاتے چلیں کہ خمس، زکات اور صدقات پر مشتمل تمام واجبات امامت کے لئے مخصوص ہیں۔ یہاں تک کہ امام معصومؑ خود بھی ان کا ذاتی مالک نہیں کیونکہ امام معصومؑ اس سے بالاتر ہیں کہ انہیں دنیاوی چمک دمک کا اسیر سمجھا جائے لیکن چونکہ وہ ہر قسم کے گناہ سے پاک، اعلی مرتبے پر فائز، پاک اور پرہیزگار انسان ہیں اس لئے وہ لوگوں کے حقوق ان تک پہنچانے کے لئے سب سے مناسب

لوگ ہیں اور چاہیے کہ یہ کام ایسے ہی لوگوں کی رہنمائی میں انجام پائے۔

لہٰذا پیغمبرؐ کے دور میں خمس کی ادائیگی اور تقسیم آپؐ کی زیر نگرانی اور آپ کے بعد تمام جنگی غنائم خلفاء کی مصلحت کے مطابق خرچ کئے جاتے تھے۔ شیعہ بھی اپنے شرعی واجبات ائمہؑ اور ان کے وکلاء کے حوالے کرتے تھے۔ اصل میں وکالت کی انجمن اسی مقصد کے لئے قائم ہوئی کہ اموال ائمہؑ کی زیر نگرانی ان کے وکلاء کے توسط سے جمع ہوں اور پھر صحیح طریقے سے خرچ کئے جائیں۔

عباسی خلفاء کی حکومت کے بحرانی دور نے ائمہؑ کو اپنے پیروکاروں سے ملنے کے نئے طریقے نکالنے پر مجبور کر دیا۔ یہ نئے طریقے امامؑ کے وسیلے سے وکیلوں، نمائندوں اور مختلف علاقوں میں اس کام پر معمور لوگوں کے تعین کے علاوہ کچھ نہ تھے۔

انجمن وکالت کا اصلی ہدف وکلاء کے توسط سے مختلف خطوں سے خمس، زکات، نذورات اور تحائف جمع کرنا اور انہیں امامؑ کی خدمت میں پیش کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ان کا کام امامؑ کی طرف دیئے گئے شیعوں کے فقہی اور عقیدتی مشکلات اور ان کے سوالات کے جوابات ان شیعوں تک پہنچانا تھا۔

سامرا میں شدید طور پر نظربند امام ہادیؑ نے اپنے والد کے شروع کئے ہوئے کام یعنی نمائندوں کے انتخاب کا کام جاری رکھا اور مختلف علاقوں اور شہروں میں اپنے وکیل مقرر کئے۔ اس طرح ایک ہدایت یافتہ اور منظّم ارتباطی انجمن قائم ہو گئی جس کا کام مذکورہ اہداف کا

حصول تھا۔

امامؑ اور ان کے پیروکاروں کے درمیان ایک براہ راست رابطہ نہ ہونے نے ان کی طرف سے مقرر کردہ وکلاء کی مذہبی اور سیاسی کردار کو وسعت عطا کی وہ اس طرح کہ امامؑ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے لوگوں کی ذمہ داریوں میں اور اضافہ ہوگیا۔

امامؑ کی موجودگی کے زمانے میں ان کے وکلاء مالی فرائض کی انجام دہی اور شیعہ معاشرے کے ضرور تمندوں کی سرپرستی کی ذمہ داری انجام دیتے تھے۔ غیبت صغری (۲۶۰ – ۳۲۹ھ) کے دوران تمام اموال امامؑ کی زیر نگرانی خرچ کئے جاتے تھے، کیونکہ غیبت صغری کے دوران امامؑ کے وکلاء ان کے پاس جاکر ان کا حکم دریافت کرسکتے تھے۔ جب غیبت صغری کے اختتام پر غیبت کبری کا آغاز ہوا اور امامؑ نے کسی کو بھی واضح طور پر اپنا وکیل معین نہیں فرمایا تو ایسی صورت میں امامؑ نے کسی خاص وکیل کی بجائے عام وکلاء کا تعارف کرایا جن کا تعارف ناموں کی بجائے صفات کے ذریعے پیش کیا گیا جیسے:

۱۔ (روی حدیثنا)؛ یعنی: حدیث کا راوی ہو۔

۲۔ (نظر فی حلالنا وحرامنا)؛ یعنی: اہل بیتؑ کے مذہب میں حلال اور حرام کی تشخیص کے بارے میں صاحب نظر ہو۔

۳۔ (وعرف احکامنا)؛ یعنی: اس مذہب کے احکام سے آگاہی رکھتا ہو۔[1]

۱۔اصول کافی، ج۱، اختلاف حدیث کا باب، حدیث نمبر ۱۰۔

اگرچہ یہ حدیث امام صادقؑ کی حیات کے دوران امامؑ ہی سے صادر ہوئی ہے لیکن اس کا اطلاق تمام ادوار یعنی امام زمانہؑ کے ظہور کے زمانے تک پر ہوتا ہے۔

اس روایت میں امام صادقؑ ناموں کے بجائے صفات کے ذریعے اپنے وکلاء کے تعارف کے بعد یہ حکم جاری فرماتے ہیں:

(فانی قد جعلته علیکم حاکماً فاذا حکم بحکمنا فلم یقبل منه فانما استخف بحکم الله و علینا رده والراد علینا الراد علی الله وهو علی حد الشرك بالله)

ترجمہ: میں نے اسے تم لوگوں کا حاکم مقرر کر دیا ہے۔ جب کبھی وہ ہمارے حکم کی تعمیل کر حکم دے اور لوگ اس کا حکم نہ مانیں تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے حکم الہی کو ہلکا لیتے ہوئے ہمارے حکم کو رد کر دیا ہے اور جو شخص ہمارے حکم کو رد کر دے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس نے خدا کا حکم رد کر دیا ہو اور ایسے آدمی کا کام شرک کے برابر ہے۔

مقبولہ عمر بن حنظلہ کے نام سے معروف اس حدیث کی رو سے فقہاء ہر دور میں لوگوں کے مراجع اور پناہگاہیں ہیں جو دراصل امام معصومؑ کے جانشین ہیں۔

اس جانشینی کا تقاضا ہے کہ امام معصومؑ کی تمام ذمہ داریاں ان کے کاندھوں پر آن پڑتی ہیں جن میں سے ایک ذمہ داری دینی معاشرے کے مالی امور کی انجام دہی ہے جس کے ایک حصے کا نام خمس اور ایک حصے کا نام زکات ہے۔

اسحاق بن یعقوب کے خط کے جواب میں لکھے ہوئے خط میں امام زمانؑ فقہاء کو اپنی حجت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(واما الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا فانهم حجتی علیکم وانا حجة الله علیهم)[۱]

ترجمہ: پیش آنے والے مسائل (کے حل) کے لئے ہمارے راویان حدیث سے رجوع کرو۔ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں ان پر خدا کی حجت ہوں۔

جامع الشرائط فقہاء کے بارے میں امامؑ کے بیان کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ معاشرے میں لوگوں کے دینی اور دنیوی امور کے انتظامات کے لئے سب سے بہترین انتخاب جامع الشرائط مجتہدین ہیں جو اپنی بصیرت اور آگاہی کی وجہ سے لوگوں کی مشکلات کے جوابات دے کر ان کی رہنمائی کا عہدہ سنبھال سکتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کے مالی نظام کو ایک ایسی انجمن کی ضرورت ہے جو پوری بصیرت اور توانائی کے ساتھ اموال کو صحیح طرح خرچ کرنے پر قدرت رکھتی ہو اور اس طرح لوگوں کی ضروریات پوری کرے۔ اہل سنت کے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ تمام امور (اولوالامر) جو معاشرے کے حکماء اور بادشاہوں پر مشتمل ہیں، کی زیر نگرانی انجام پانے چاہئیں۔

شیعہ چونکہ "اولوالامر" کو حاکم اور بادشاہ کے معنوں میں نہیں لیتے، اس لئے ان کا ماننا ہے کہ امامؑ کی غیبت کے زمانے میں ایک ایسا

۱۔احتجاج، ج ۲، ص ۵۴۲، نمبر ۳۴۴

ادارہ ہونا چاہیے جو امامت کے فرائض انجام دے سکے اور تمام معاشرے میں فقہاء سے زیادہ صالح اور آگاہ کوئی گروہ نہیں۔

ایک لمحے کے لئے ہم فرض کرتے ہیں کہ امامؑ کی غیبت کے زمانے میں ایسا کوئی ادارہ نہ ہو، پھر؟ کیا ایسی حالت میں افراتفری اور بے نظمی کے علاوہ کچھ اور بھی دیکھنے کو ملتا؟ آخر زکات سے محروم فقیر سادات کیسے زندگی گزاریں گے؟

اس بات کی توقع رکھنا کہ مالی امور کی انجام دہی ایک منظم اور طاقتور ادارے کے بغیر بھی ممکن ہے یعنی ایک ایسے ادارے کے بغیر جو تمام اموال انتہائی صحیح انداز سے خرچ کرنے کی قدرت سے مالامال ہو!

جامع الشرائط فقہاء صرف ذمہ دار ہیں کہ خمس اور دیگر واجب حقوق کی تقسیم کریں۔ ایسے فقہاء غیبت کے زمانے میں امام معصومؑ کی امامت اور رہبری کے تمام فرائض کے عہدہ دار ہیں، جیسے:

۱۔ فتوا (احکام کا اجراء اور شرعی دلیلوں سے اس کی تشریح)

۲۔ فیصلے کرنا اور ملک کے مختلف علاقوں میں ججوں کی تقرری۔

۳۔ مومنین کے معاشرے کی پیشرفت اور اجتماعی نظم وضبط کا قیام۔

یقیناً اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک فقیہ یکہ و تنہا اور مطلق العنانیت کے سہارے تمام کام انجام دے سکتا ہے بلکہ وہ اس کام کے لئے انجمن تشکیل دے کر عدل و انصاف اور حریت و آزادی کی بنیادوں پر یہ تمام کام انجام دیتا ہے۔ اس بات کی تفصیل کے لئے کتاب "حکومت اسلامی" دیکھئے۔[1]

۱۔ حکومت اسلامی ہماری نظر میں۔

کتاب "خمس" کا مصنف کہتا ہے: سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر کیا بات ہے کہ وہ خمس جو اگر امام (علیہ السلام) کو دیا جائے تو مستحب کہلاتا ہے لیکن فقہاء کی باری آتی ہے تو اسی خمس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے؟ حالانکہ فقہاء کو اس موضوع میں شامل کرنے والے تمام فتوؤں اور ان فتوؤں میں موجود قیاس اور اجتہاد نے فقیہہ کو صاحب حق (امام) کا نائب یا وکیل بتایا ہے۔[۱]

دھیان رہے کہ:

پہلا نکتہ: امامؑ کو خمس کی ادائیگی مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔ اتنی ڈھیر ساری روایات کے باوجود بھی یہ لوگ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ امامؑ کو خمس ادا کرنا ایک مستحب عمل ہے۔ اگر ان کی مراد ان روایات سے ہے جن میں خمس کو معاف کردینے کی بات ہوئی ہے، تب تو خمس کی ادائیگی کے مستحب ہونے کی بجائے اس فریضے کے ساقط ہونے کی بات ہونی چاہیے۔

دوسرا نکتہ: مذکورہ دو احادیث اور ان دیگر احادیث (جن کا بیان طوالانی ہونے کا باعث بن سکتا تھا) پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء صرف قیاس اور اجتہاد کی بنیادوں پر مالی امور سنبھالنے کے لئے میدان میں نہیں اترے بلکہ ائمہؑ نے خود انہیں یہ ذمہ داریاں سنبھالنے پر پابند کردیا ہے۔

اکثر موقعوں پر شیعہ ایسے زمانوں میں زندگی گزار رہے تھے کہ اس دور کی حکومتوں (جیسے اموی اور عباسی حکومتوں) پر اعتراض کرتے

۱۔ ص ۸ اور ۹

ہوئے ان کے حق پر ہونے کے قائل نہیں تھے۔ دوسری طرف یہی شیعہ چاہتے تھے کہ مکمل آزادی کے ساتھ اسلامی احکامات کی پابندی کریں اور اسلام کے نورانی احکامات میں سے ایک مالی فرائض کی انجام دہی ہے۔ اس صورت میں شیعہ مالی امور سے کس طرح نمٹ سکتے ہیں؟

۱۔ کیا ہر شخص خود ہی آکر اپنے واجبات ادا کرے جس کا نتیجہ افراتفری کے سوا کچھ نہیں ہوگا؟

۲۔ کیا اپنے دور کے حکام کو ادا کریں جنہیں وہ ستمگر اور ظالم کہتے آئے ہیں؟

سب سے بہترین راستہ یہ ہے کہ وہ اپنے تمام واجبات اور مالی امور کی نگرانی پرہیزگار فقہاء کے سپرد کردیں تاکہ وہ ان اموال کی تقسیم کی ذمہ داری سنبھال کر انہیں نیاز مند لوگوں تک پہنچائیں یا مذہب حق کی تبلیغ کے سلسلے میں خرچ کریں۔

چوتھا باب

خمس کے مصارف

خمس کے مصارف:

قرآنی آیت[1] ، کی رو سے خمس کے دو مصارف ہیں:

۱۔ خدا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتداروں کے حقوق

۲۔ سادات کے یتیموں، لاچار اور غربت زدہ مسافروں کے حقوق

لیکن چونکہ سادات کے فقراء کے لئے زکات لینا حرام ہے اس لئے خمس کا ایک حصہ ان کے لئے مخصوص ہے اور قدیم و موجودہ شیعہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حصہ کسی طرح بھی ختم نہیں کیا جاسکتا اور لازمی ہے کہ مذکورہ حصہ ان کے مستحقین تک پہنچے۔[2]

چونکہ اس مالی فریضے کا تعلق بھی امامت سے ہے اور امامؑ پر تین گروہوں پر مشتمل مذکورہ اموال کے خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے لازمی ہے کہ یہ اموال امامؑ کی زیر نگرانی اور ان کی غیبت کے زمانے میں ان کے عام نمائندوں کی زیر نگرانی خرچ ہوں۔ امامؑ پر نہ صرف یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خمس کے آدھے حصے کو سادات کے فقراء کے لئے خرچ کریں بلکہ اگر یہ سادات مالی لحاظ سے زندگی میں کسی طرح کی مشکل سے دوچار ہوں تو چاہیے کہ امامؑ پہلے والے آدھے حصے میں سے بھی ان کے لئے خرچ کریں۔

۱۔ انفال: ۴۱

۲۔ ریاض، ج۱، ص۲۹۹؛ مستند الشیعۃ فی احکام الشریعہ، ج۱۰، ص۱۰۹۔

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں:

(یقسم بینهم علی الکتاب والسنة ما یستغنون به فی سنتهم فان فضل عنهم شیء، فهو للوالی فان عجز او نقص عن استغنائهم کان علی الوالی ان ینفق من عنده بقدر ما یستغنون به وانما صار علیه ان یمونهم لان له ما فضل عنهم)[1]

ترجمہ: امام، ان کے درمیان خمس کو خدا کی کتاب اور سنت پیغمبرؐ کے مطابق تقسیم کرتا ہے اور انہیں ان کے ایک سال کی ضروریات کے مطابق دیتا ہے۔ اگر اس طرح ان کی ضروریات پوری ہوگئیں جبکہ ان کے لئے مخصوص حصے میں سے امام کے پاس کچھ باقی رہ گیا تو وہ امام کا ہو جائے گا۔

لیکن اگر وہ حصہ کم پڑ گیا اور ان کی ضروریات برطرف نہ ہو سکیں تو امام کو چاہیے کہ وہ اپنے حصے سے انہیں اتنا دے کہ ان کی ضروریات برطرف ہو جائیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ پر مذکورہ تین گروہوں کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس لئے لازمی ہے کہ تمام کام ان کی زیر نگرانی اور ان کی غیبت کے زمانے میں ان کے عام وکلاء کی زیر نگرانی انجام پائے۔

لیکن پہلے کا آدھا حصہ جسے قرآن نے (فلله وللرسول ولذی القربی) کہا ہے وہی امام کا حصہ ہے۔ کیونکہ جو خدا کے لئے ہے، وہ اس کے

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۶، تیسرا باب، قسمۃ الخمس کے ابواب میں سے، حدیث نمبر ۱ اور ۲۔

رسولؐ کا حصہ ہے اور جو رسولؐ کے لئے ہے وہ امام (ذوی القربی) کو ملے گا، جو دوسرے لفظوں میں وہی سہم امام ہے۔[۱]

امامؑ کی موجودگی کے زمانے میں ان کی زیر نگرانی ان اموال کا خرچ کرنا ممکن تھا لیکن غیبت کبری کے زمانے میں کہ جب ان سے کسی قسم کا رابطہ قائم کرنا ممکن نہیں رہا، شیعہ فقہاء کے درمیان کئی اقوال گردش کرتے رہے ہیں جن میں سے اہم اقوال کی تعداد دو ہے:

۱۔ اموال کو جمع کرنا اور ظہور کے زمانے تک ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔

۲۔ بنی ہاشم کے فقراء اور ضرور تمندوں کے درمیان (ان اموال کی) تقسیم۔

پہلے قول کو قبول کرنے کا نتیجہ امامؑ کی غیبت کے طولانی ہونے کے باعث خمس کے سلسلے کے ختم ہونے کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں رکھتا۔

دوسرے نظریے یعنی بنی ہاشم کے ضرور تمندوں کے درمیان خمس کی تقسیم پر شیعہ فقہاء کے ایک گروہ کو اتفاق ہے جیسے رسالہ "غریہ"[۲] میں شیخ مفید، "شرایع"[۳] میں محقق حلی، "المہذب"[۱] میں ابن فہد حلی اور "الروضة"[۲] میں شہید ثانی نے ایسی تقسیم پر اتفاق کیا ہے۔ حتی کہ

۱۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: (فالذی للہ فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرسول اللہ بہ فھولہ خاصة، والذی للرسول ھو لذی القربی والحجة فر زمانہ، فالنصف لہ خاصة)۔ وسائل الشیعہ، خمس کی تقسیم کے ابواب، باب ۱، حدیث ۹ اور ۱۰)

۲۔ مختلف: ۲۱۰

۳۔ شرایع، ج ۱، ص ۱۸۴

بعض روایات سے بھی شیعہ فقراء میں خمس کی تقسیم واضح ہوتی ہے، جیسے:

۱۔ محمد بن یزید کہتا ہے:

(من لم یستطع ان یصلنا فلیصل فقراء شیعتنا)[۳]

ترجمہ: جو ہمارا حق ہم تک نہیں پہنچا سکتا، اسے چاہیے کہ ہمارا وہ حق ہمارے شیعہ ضرورتمندوں تک پہنچائے۔

۲۔ شیخ صدوق نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا:

(من لم یقدر علی صلتنا فلیصل صالحی شیعتنا)[۴]

ترجمہ: جو ہمارے مال کو ہم تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا اسے ہمارے شیعوں میں سے مناسب لوگوں تک پہنچائے۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ نہیں چاہتے کہ ان کا حق کے ذمے باقی رہے بلکہ اس کی بجائے اس کے خرچ کرنے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یقیناً شیعہ فقراء کی ضروریات دور کرنا خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس لئے امامؑ کے نمائندے کے طور پر ایک فقیہہ شیعہ فقراء کی ضروریات دور کرنے کے علاوہ تبلیغ اسلام اور مذہب تشیع کی حفاظت کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے جس کے لئے لازمی ہے کہ وہ ان اموال میں سے مذکورہ مقاصد کے لئے بھی کچھ نہ کچھ

۱۔المہذب، ج۱، ص۱۷۵

۲۔الروضۃ، ج۲، ص۸۰

۳۔وسائل الشیعہ، ج۶، باب ۵۰، صدقہ کے ابواب میں سے، حدیث نمبر۱۔

۴۔ایضاً، حدیث نمبر ۳۔

خرچ کرے۔

ان وظائف میں درج ذیل امور شامل ہیں:

۱۔ اسلامی نوجوانوں کی تعلیم وتربیت۔

۲۔ مبلغین اور علماء کی تربیت اور انہیں ان علاقوں کی طرف روانہ کرنا جہاں دینی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے۔

۳۔ دینی علوم کی تعلیم کے لئے اداروں کا قیام۔

۴۔ علماء اور بزرگان دین کے علم و دانش سے عمومی استفادے کے لئے لائبریریوں کا قیام۔

اس کے علاوہ دیگر فائدہ مند امور کی انجام دہی، جیسے فقراء اور ضرورتمندوں کے لئے اسپتالوں کا قیام جن سے اسلامی معاشرہ استفادہ کرسکے۔ یقیناً امامؑ کے حصے کو ان امور کی بہتری اور فلاح کے لئے خرچ کرنا اس فقیہ کی جس کی زیر نگرانی یہ کام انجام پاتا ہے، شرعی ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے۔

مذکورہ امور کے لئے سہم امام (امامؑ کے حصے) کا خرچ کرنا نظریاتی بنیادوں کا حامل ہے جس کی تشریح اور شرائط بیان کرنا صرف ایک فقیہ کے بس کی بات ہوتی ہے جو شرعی شرائط کی بنیادوں پر مستحق اور غیر مستحق لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔

اس لئے شیعہ فقہاء کے فتوے بھی خود فقیہ کے توسط سے خمس کی تقسیم پر تاکید کرتے ہیں۔ محقق نراقی کہتا ہے:

(هل تجب مباشرة الفقيه بنفسه للتقسيم كما هو ظاهر الاكثر ام يجوز له الاذن لغيره و تولي الغير باذنه كما عن

الدروس وبعض مشایخ والدی)[1]

ترجمہ: کیا فقیہ کے لئے لازمی ہے کہ وہ خود ہی بطور مستقیم (خمس کی) تقسیم کا کام انجام دے کہ اکثر علماء کے فتوئوں سے اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے یا پھر وہ کسی اور کو اجازت دے اور اس کی اجازت سے کوئی اور یہ کام انجام دے جس کا ذکر صرف دروس کی کتاب اور میرے والد کے چند استادوں کے ہاں آیا ہے۔

اگرچہ شیعہ علماء میں سے شرایع میں محقق حلی، منتھی میں علامہ حلی اور روضہ میں شہید ثانی جیسے بعض علماء معتقد ہیں کہ فقیہ کی زیر نگرانی اور اس کے اپنے ہاتھوں سے خمس کی تقسیم کے بغیر بھی یہ عمل انجام دیا جاسکتا ہے۔[2]

۱۔ مستند الشیعہ، ج ۱۰، ص ۱۳۷

۲۔ شرایع، ج ۱، ص ۱۸۴؛ منتھی، ج ۱، ص ۵۵۵؛ ج ۲، ص ۷۹

پانچواں باب

کتاب "خمس" کی تشریح

کتاب "خمس" کی تشریح:

پہلے حصے میں یہ ثابت کیا گیا کہ خمس قرآن حکیم, پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ کی روایات میں بیان ہونے والے اسلام کے مالی امور کا اہم حصہ ہے جس کے واجب ہونے اور ادائیگی کے بارے میں تاریخ کے ہر دور میں فتوے جاری ہوئے اور آیہ خمس[1] فقط جنگی غنائم کے بارے میں نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر قسم کمائی پر ہوتا ہے۔

دوسرے حصے میں شیعوں پر خمس کی ادائیگی کی معافی پر تفصیل سے بات ہوئی جس میں ہم نے یہ ثابت کر دکھایا کہ خمس کے معاف کر دینے کا تعلق اموال کے تین گروہوں سے ہے:

۱۔ جنگی غنائم جن پر ابھی تک "ذوی القربی" یعنی امامؑ کا حق ادا نہیں ہوا ہوتا اور اس ہاتھ سے اس ہاتھ میں پھرتے پھراتے شیعوں کے ہاتھوں تک بھی پہنچتے تھے، اس لئے تنگدستی اور نقصان کے پیش نظر ائمہؑ نے شیعوں کو ان پر خمس ادا کرنے سے آزاد قرار دیا۔

۲۔ غیر شیعہ لوگوں سے متعلق وہ اموال جن پر خمس ادا نہیں ہوا ہوتا تھا (ہر چند وہ جنگی غنائم بھی نہیں ہوا کرتے تھے) اور جو ہوتے ہوتے شیعوں کے ہاتھوں تک پہنچتے تھے حالانکہ ان اموال میں ابھی تک

۱۔انفال: ۴۱

"ذوی القربی" کا حق باقی ہوتا۔ ایسے اموال پر خمس بھی معاف کر دیا جاتا تاکہ شیعوں کو مفت میں دوسروں کی مصیبت نہ جھیلنی پڑے۔

۳۔ انفال یعنی وہ زمینیں جو جنگ کے بغیر اسلامی حکومت کے حصے میں آجاتی ہیں جو تمام کی تمام امامت اور رسالت کے لئے ہوتی ہیں اور جن کا استعمال معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے ہونی چاہیے۔ ان زمینوں پر بھی خمس معاف ہے۔

اسی طرح ضعیف اور ضرور تمندوں کو بھی جن کے لئے خمس ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، خمس کی ادائیگی کے معاملے میں بری قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شیعوں پر سختی کے دوران انہیں خمس ادا نہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لہٰذا صرف اور صرف ایسے موقعوں پر خمس معاف کر دیا گیا۔ ہم نے تقریباً تیس روایات سے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ تمام حالات میں کمائی پر زندگی کی ضروریات الگ کرنے کے بعد باقی ماندہ اموال پر خمس ادا کرنے کو واجب کہا گیا ہے۔

تیسرے حصے میں آیہ مبارکہ اور اہل بیتؑ کی نورانی احادیث سے خمس کے مصارف کی وضاحت ہو گئی۔ اس حصے میں یہ بھی بتایا گیا کہ یہ خمس رسول اللہؐ اور امامؑ کے لئے نہیں بلکہ امامت اور رسالت کے لئے ہے اور ہر زمانے میں امامؑ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس خمس کو قرآن اور سنت نبویؐ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کریں۔

چوتھے حصے میں بتایا گیا کہ خمس کے خرچ کرنے کا مسئلہ اہم مالی امور سے تعلق رکھتا ہے جس کے لئے ایک منظم ادارے کے قیام کی

ضرورت ہے تاکہ اس کو صحیح طرح سے خرچ کیا جاسکے۔ اس ادارے کا سربراہ خود امامؑ یا جامع الشرائط فقہاء ہوتے ہیں اور اگر اس نکتے کو ذہن میں نہ رکھتے ہوئے ہر کوئی اپنا فرض خود ادا کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کا نتیجہ صرف افراتفری کی صرف میں حاصل ہوگا۔

پانچویں باب میں ہم کتاب "قرآن اور اہل بیتؑ کی نظر میں خمس کا بیان" کی قالب شکنی کریں گے۔ ہم کتاب کے آغاز میں اس کتاب کے مولف یا مولفین کی جلد بازی اور کم علمی کا ذکر پہلے ہی کر چکے ہیں۔

چھٹا باب

آٹھ حقائق

اپنی کتاب کے آغاز میں مؤلف نے آٹھ حقائق بیان کئے ہیں جو درحقیقت کتاب کا لب لباب ہے۔ ان حقائق کی توصیف کرتے ہوئے یوں کہتا ہے:

"مجھے خمس کے موضوع کے مطالعے کے بعد انتہائی اہم حقائق تک رسائی حاصل ہوئی۔ ایسے حقائق جو ایسے تمام لوگوں کے لئے ابھی تک مجہول اور نامعلوم ہیں جو اپنا خمس مجتہدین اور امیر المومنین علیؑ کے خاندان سے منسوب سادات کو ادا کرتے ہیں۔"[1]

پہلی حقیقت:

کہتا ہے: "فقیہہ کو کمائی پر خمس کی ادائیگی کا کوئی مطلب نہیں اور شیعہ احادیث کی معتبر کتب میں کہیں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ صاف لفظوں میں یوں کہا جائے کہ خمس کی ادائیگی کے لئے ائمہؑ کے یہاں کوئی دلیل نہیں ملتی۔"[2]

اس کے پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ خمس کی ادائیگی واجب اور لازمی ہے، لیکن یہ خمس فقہاء کے حوالے کر دینا ایک بے بنیاد عمل ہے۔

۱۔ کتاب خمس، ص ۶۔

۲۔ کتاب خمس، ص ۷۔

لیکن یہی مولف دوسرے حصے میں کہتا ہے کہ درحقیقت خمس کی ادائیگی کی کوئی دلیل نہیں۔

دوسری حقیقت:

لکھتا ہے: دوسری حقیقت پہلی حقیقت سے بھی بڑی اور عمدہ ہے لیکن بعض وجوہات کی بنا پر پوشیدہ اور غیر معلوم ہی چلی آرہی ہے اور لوگوں کا وہ گروہ جو معتقد ہیں کہ خمس ادا کرنا واجب ہے اس حقیقت سے قطعی طور پر آگاہ نہیں۔ یہ حقیقت دراصل ائمہؑ سے منقول وہ روایات ہیں جن میں انہوں نے شیعوں کے لئے خمس کی ادائیگی کو لازمی نہیں قرار دیا۔ بالخصوص امامؑ کی غیبت کے زمانے میں تو وہ (شیعہ) خمس کی ادائیگی کے فریضے سے پوری طرح آزاد ہیں۔[1]

جواب:

وہ روایات جن کی طرف مولف نے اشارہ کیا ہے تمام فقہاء کے لئے آشکار اور واضح ہیں اس لئے خمس کے بارے میں تالیف شدہ تمام کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ یہ حقیقت کہ اکثر لوگوں کو ان حقائق کا علم نہیں، ایک فطری بات ہے۔ فقہ ایک ایسا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے جس کے پانی سے عام لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ توضیح المسائل کی کتابوں

۱۔ خمس، ص ۷۔

میں صرف فتوئوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے اور ان کے دلائل بیان نہیں کئے جاتے۔

فقہایت کے مقام پر فائز ہونے کے لئے لازمی ہے کہ ایک طویل عرصے تک علمی جدوجہد کی جائے اور یقیناً عام طبقے سے اس بات کی توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ اپنے تمام کام کاج چھوڑ کر فقاہت کے پیچھے لگ جائیں۔ تمام دنیا میں ایکسپرٹ سے رجوع کرنا ایک عقلی اور فطری بات ہے اور دنیا کے تمام لوگ علاج کے لئے معالج اور دینی مسائل اور اسلام کی شناخت کے لئے فقہاء سے رجوع کرتے ہیں۔

تیسری حقیقت:

کہتا ہے: یہ حقیقت اور بھی بڑی اور اہمیت کی حامل ہے۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر امامؑ خود موجود ہوں تو ان کو خمس ادا کرنا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے اور انسان کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا خمس ادا کرے یا نہ کرے۔[1]

جواب:

یہ اہم حقیقت نجانے کس روایت سے اخذ کی گئی ہے! خمس کی کتاب میں ایک بھی روایت ایسی نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ خمس ادا

۱۔ خمس، ص ۷

کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ کتاب میں اسی بات کو دہراتے ہوئے کہتا ہے:

"امامؑ کو خمس ادا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔"[۱] حالانکہ روایات دو حصوں پر مشتمل ہیں:

۱۔ ہر زمانے میں خمس کی ادائیگی کے واجب ہونے کے بارے میں سہ گانہ روایات۔

۲۔ وہ روایات جن سے ایک خاص وقت میں خمس کے معاف ہونے کا ذکر آیا ہے۔

لیکن ایسی روایات جن میں خمس کے مستحب ہونے اور واجب نہ ہونے کی بات آئی ہو، قطعاً موجود نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر مولف وہ روایات بیان ہی کرتا تاکہ قارئین کو بھی ان کی موجودگی کا علم ہوتا۔

جب قرآن خود خمس کے واجب ہونے کی بات کر رہا ہے تو پھر اس کو مستحب سمجھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے علاوہ ائمہؑ کی حیات کے دوران، غیبت صغری اور غیبت کبری میں وکالت کی انجمن تمام خمس کے واجب ہونے کی دلیلیں ہیں۔

چوتھی حقیقت:

کہتا ہے: یہ حقیقت بالکل نامعلوم اور حیرت انگیز ہے۔ شیعہ مذہب کے گزشتہ علماء جیسے مفید، مرتضی طوسی نے بھی اسے بیان نہیں

۱۔ خمس، ص ۱۱۴

کیا کہ خمس فقہاء ہی کو ملنا چاہیے۔[۱]

جواب:

اگر مذکورہ لوگوں نے خمس ادا کرنے یا نہ کرنے کی بات نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ خمس واجب ہی نہیں۔ ان بزرگوں نے سادات کے فقراء کو خمس ادا کرنے پر کافی تاکید کی ہے اور شاید یہ بھی اہل تشیع کے بعض دیگر علماء کی طرح اس حق میں تھے کہ خمس کی تقسیم فقیہہ کی زیر نگرانی ہی ہونی چاہیے۔

پانچویں حقیقت:

یہ حقیقت بھی بہت حیرت انگیز ہے۔ کیونکہ اکثر معتبر روایات میں ہے کہ امامؑ کو خمس ادا کرنا ایک مستحب عمل ہے۔ اس صورت میں سوال اٹھتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ امامؑ کو خمس ادا کرنا مستحب ہے لیکن فقیہہ کی باری آتی ہے تو اس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔[۲]

جواب:

مصنف نے یہاں کوئی نئی بات نہیں کی اور یہ نکتہ بھی دراصل تیسری حقیقت ہی کی ایک اور شکل ہے جس کے جواب میں ہم نے کہا

۱۔ خمس، ص ۸

۲۔ایضاً

کہ شیعہ روایات میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں جو خمس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہو۔

چھٹی حقیقت:

خمس کا آدھا حصہ امام کے لئے مخصوص ہے جو خدا، اس کے پیغمبرؐ اور قرابتداروں کے لئے ہے۔

لیکن دوسرے آدھے حصے پر بنی ہاشم کے یتامی، ضرورتمندوں اور غربت زدہ مسافروں کا حق ہے اس لئے لازمی ہے کہ امام یہ حصہ انہیں دے دیں نہ کہ یہ حصہ بھی خود ہی رکھ لیں۔[1]

جواب:

مصنف نے اپنی اس بات کا ماخذ شیخ طوسی کی کتاب "نھایہ" بتائی ہے لیکن لگتا ہے کہ انہوں نے دراصل مذکورہ کتاب سے رجوع ہی نہیں کیا، بلکہ یہ قول کسی اور کتاب سے کاپی کی ہے۔ کیونکہ یہ کتاب درج ذیل دو کتابوں کا اقتباس ہے:

۱۔تطور الفکر السیاسی الشیعی من الشوری الی ولایۃ الفقیہ، تحریر: احمد کاتب، بحث خمس

۲۔ موسی موسوی سے منسوب کتاب الشیعۃ والتصحیح۔

۱۔ خمس، ص ۹، شیخ طوسی کی نہایۃ سے منقول، ص ۲۶۵

اسلامی اخلاق مجھے اس بات سے روکتا ہے کہ میں مصنف کو ان دو کتابوں سے رجوع کرنے کے لئے کہوں، مخصوصاً موسی موسوی سے جسے میں نزدیک سے جانتا ہوں۔

اس کے علاوہ شیخ طوسی کی کتاب "نھایہ"[۱] میں مصنف کی کہی ہوئی بات سے ملتی جلتی کسی بات کا ذکر نہیں آیا۔ شیخ طوسی فرماتے ہیں:

(قسما للہ وقسما لرسولہ وقسما لذی القربی فقسم اللہ قسم الرسول وقسم ذی القربی للامام خاصہ یصرفہ فی امور نفسہ وما یلزمہ من موونۃ غیرہ)[۲]

ترجمہ: ایک حصہ خدا کے لئے، ایک حصہ رسول اللہؐ اور تیسرا حصہ ذی القربی (امام معصوم) کے لئے ہے۔ جو خدا، اس کے رسولؐ اور ذوی القربی کے لئے ہے، امام کا ہے۔ (امام کے لئے لازمی ہے کہ وہ) خمس کو اپنے ذاتی اخراجات اور دیگر موارد جن پر اخراجات کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، خرچ کریں۔

اس عبارت میں "نہ کہ یہ حصہ بھی خود ہی رکھ لیں" والا کوئی جملہ نہیں آیا۔

جیسا کہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مصنف نے یہ کتاب شیعی کتابوں سے رجوع کئے بغیر ہی لکھ ڈالی ہے، بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ جب وہ کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کا نام لیتا ہے تو حاشیے میں

۱۔ النہایۃ، ص ۲۶۵

۲۔ ایضاً، ص ۱۹۸

دوسری دفعہ کتاب کا نام "فقیہ من لا یحضرہ الفقیہ" لکھتا ہے۔[۱]

ساتویں حقیقت:

ساتویں حقیقت میں مصنف اصرار کرتا ہے کہ خمس صرف بنی ہاشم کے فقراء جیسے یتیموں، ضرورتمندوں اور غربت زدہ مسافروں کا حق ہے، ان کے دولتمندوں کے لئے نہیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اہل بیتؑ کے حصے میں سے کچھ لیں۔[۲]

جواب:

معلوم نہیں مصنف کو یہ بات کہاں سے ملی ہے؟ ہم اس سے پوچھتے ہیں: آخر شیعہ کی کونسی فقہی کتاب یا توضیح المسائل میں آیا ہے کہ اہل بیتؑ سے منسوب دولتمند بھی خمس کے حقدار ہیں؟ بلکہ تمام مراجع نے اس کے برعکس فتوے دیئے ہیں کہ خمس کے مصارف کے لئے سہ گانہ موارد میں سے ایک شرط فقر و مفلسی ہے۔ یہ اتنا واضح مسئلہ ہے کہ اس کے بارے میں شیعوں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔

آٹھویں حقیقت:

فقہاء کو خمس دینے کی کوئی دلیل موجود نہیں اور کسی معصوم سے

۱۔ خمس، ص ۱۳اور ۱۶۔ دو جگہوں پر اور ص ۱۷
۲۔ خمس، ص ۱۰

کوئی ایسی روایت منقول نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ خمس فقہاء ہی کو ملنا چاہیے۔[۱]

جواب:

یہ پہلی حقیقت ہی کی تکرار ہے ہم جس کا جواب گذشتہ ابواب میں تفصیل سے دے چکے ہیں۔

یہ تھیں وہ آٹھ حقیقتیں!!! اب ہم قارئین گرامی کی اطلاع کے لئے اور خلاصے کے طور پر کتاب مطالب میں سے چند ایک ایسے مطالب پیش کریں گے جو قارئین کی افسردگی کا باعث نہ ہوں۔

۱۔ ایضاً۔

دوسرا باب

گزشتہ حقائق پر تفصیلی دلائل

اس باب میں بھی مصنف اپنے ہشتگانہ حقائق کے پیچھے لگا ہوا ہے۔
اس باب میں وہ ایسی روایات کا ذکر کرتا ہے جن سے ثابت ہو جائے کہ خمس کی معافی کا اعلان ہمیشہ کے لئے اور ہر قسم کے خمس کے لئے کیا گیا۔
پہلے وہ ضریس کناسی کی روایت کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابی عبداللہ سے پوچھا گیا: لوگوں کے درمیان

ناپاکی کس طرح پھیلی؟ انہوں نے کہا: ناپاکی کے داخلے کا راستہ ہم اہل بیتؑ کا خمس ادا نہ کرنا ہے۔ لیکن ہمارے شیعے خمس کی ادائیگی کے فریضے سے بری ہیں تاکہ دنیا میں پاک و صاف پیدا ہوں۔[1]

جواب:

لگتا ہے مصنف نے اصلی منابع سے رجوع نہیں کیا۔ اس لئے لکھتا ہے: ابی عبداللہ سے پوچھا گیا۔ جبکہ یہ روایت اس کے برعکس ہے اور سوال اٹھانے والے خود امامؑ ہیں۔

روایت کا متن دیکھئے:

۱۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۵۴۹

(قال اباعبد اللهؑ: من این دخل الناس الزنا؟ قلت: لا ادری...)

امام صادقؑ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو لوگوں کے درمیان ناپاکی کس طرح پھیلی؟ راوی نے جواب دیا: نہیں معلوم۔ تب امامؑ نے فرمایا: ہم اہل بیتؑ کے خمس کے راستے، مگر شیعے جن کے بیٹوں کی پاکی کے لئے خمس معاف کر دیا گیا۔

گذشتہ سطور میں ہم یہ بیان کر چکے کہ ایسی روایات کا تعلق جن میں سے اکثر میں **"طیب ولادت"** کے الفاظ آئے ہیں، ان کنیزوں سے تھا جو جنگی غنائم کے طور پر حاصل کی جاتیں اور مسلمانوں میں اس ہاتھ سے اس ہاتھ فروخت ہوتی ہوئی شیعوں کے پاس پہنچتیں اور شیعہ بھی انہیں خریدتے جن سے ان کے اولاد ہوتی۔ آخر اس بات کا خمس کے مکمل طور پر معاف ہونے سے کیا تعلق ہے؟ اس حصے میں لائی گئی تمام روایات کا تعلق خمس کے معاف ہونے سے ہے جن کے اصل مفہوم کے بارے میں یا تو مصنف آگاہی نہیں رکھتا یا پھر اس نے اس بارے میں چشم پوشی سے کام لیا ہے۔

اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے: تو جب امامؑ نے خود اپنے شیعوں کو خمس کی ادائیگی سے بری قرار دیا ہے تو یہ لوگ کس بنیاد پر سامنے آکر اور خود کو امامؑ کے وکلاء قرار دے کر امامؑ کے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں وہ بھی ایسے حقوق کا مطالبہ جن سے امامؑ پہلے ہی ہاتھ کھینچ چکے ہیں اور یہ لوگ کس بنیاد پر ان شدید لفظوں میں ان حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں؟![1]

۱۔ خمس، ص ۱۴

وہ چیزیں جن پر خمس کو امامؑ نے معاف کردیا تھا، فقہاء میں کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں۔ اسی لئے غنائم کے عنوان سے لوگوں کے پاس موجود تمام چیزوں پر امامؑ کے ظہور تک کوئی خمس نہیں۔ لیکن دیگر چیزوں پر جن کے بارے میں امامؑ نے اپنے حق کی معافی کا ذکر نہیں فرمایا، فقہاء نے بھی خمس کے واجب ہونے کا حکم دیا ہے۔

کتاب کے مصنف نے اصول کافی، باب (الفیء الانفال و تفسیر الخمس وحدوده ومایجب فیه) سے صرف ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں خمس کے معاف کردینے کا ذکر آیا ہے اور ان روایات کی تشریح کرنے والی بعد کی روایات کو مکمل طور پر نظر انداز کردیا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل روایات سے:

۱۔ محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ سے سونے، چاندی، تانبے اور جست کی کانوں کے بارے میں سوال کیا۔ امامؑ نے فرمایا: (علیها الخمس)[۱]

۲۔ امام صادقؑ نے (وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) والی آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا: "خدا کی قسم! "غنیمت" کا مطلب لوگوں کی روزمرہ کمائی ہے لیکن میرے والد نے شیعوں کو اس بارے میں معاف کردیا تاکہ ان کے اموال حرام ہونے سے پاک رہیں۔ (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

۱۔ اصول کافی، ج ۱، بحث الفیء والانفال، ح ۹۔

معاف کر دینے کا یہ عمل ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ ایک خاص وقت تک کے لئے تھا۔)"[1]

۳۔ امام کاظمؑ سے نقل کرتے ہوئے سماعہ کہتے ہیں کہ امامؑ سے خمس کے بارے میں پوچھا گیا۔ امامؑ نے فرمایا:

(فی کل ما افاد الناس من قلیل او کثیر)؛ یعنی: ہر قسم کی کمائی پر چاہے کم ہو یا زیادہ، خمس دینا واجب ہے۔ اس بارے میں خمس کے واجب ہونے کی دلیلیں کا باب ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ ایضاً، ح ۱۰

تیسرا باب

خمس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف

اس باب میں مصنف نے شیخ طوسی کی کتاب "النہایہ" کی عبارات کا ترجمہ کیا ہے لیکن اس نے آخر میں شیخ صاحب کے بیان کردہ عبارات کے ترجمہ کرنے سے دریغ کیا ہے۔ اس کتاب میں شیخ طوسی کہتے ہیں:

خمس کے مصارف کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے:

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیبت کے دور میں غنائم جنگی کے خمس کی طرح باقی تمام چیزوں پر خمس بھی معاف کردیا گیا ہے۔

۲۔ ایک گروہ کے مطابق: اس خمس کی حفاظت کرنی چاہیے اور وصیت نامے میں یہ لکھنا چاہیے کہ امامؑ کے ظہور کے بعد یہ خمس خود امامؑ کے حوالے کردیا جائے۔

۳۔ ایک اور گروہ کا کہنا ہے: خمس کے اموال کو دفن کرنا چاہیے کیونکہ امام زمانہؑ کے ظہور کے وقت زمین اپنے خزانے اگل دے گی اور انہیں امامؑ کی خدمت میں پیش کرے گی۔

۴۔ ایک اور گروہ یہ کہتا ہے: خمس کے آدھے حصے کو خاندان رسالت کے یتامی، ضرورتمندوں اور غربت زدہ مسافرین میں تقسیم کرنا چاہیے۔ لیکن دوسرے آدھے حصے کو ان اخراجات کو پورا کرنے میں خرچ کیا جائے۔

اس کے بعد شیخ طوسی فرماتے ہیں: آخری قول سب سے زیادہ معقول ہے کیونکہ خمس کے آدھا حصہ سادات کو ادا کرنا ایک لازمی عمل

ہے جس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں، جبکہ باقی ماندہ اموال ان کے اخراجات پورے کرنے میں صرف ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد وہ پہلے قول کو احتیاط کی ضد تصور کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(ما تضمنه الاول الاول فهو ضد الاحتياط والاولى اجتنابه)

ہم نے جو کچھ یہاں "النھایہ" سے نقل کیا ہے اگر اس کے ترجمے کا مقابلہ آپ مصنف کے کئے ہوئے ترجمے سے کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مصنف نے آخر کے دو مطالب حذف کر دیئے ہیں کیونکہ اس کی چوتھی حقیقت سے متضاد ہونے کی وجہ سے ان دو مطالب کے بیان سے ان کا نقصان ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے بہتر خیال کیا کہ آخر کے دو حصے حذف کر دیئے جائیں۔

دوسرا جواب یہ کہ وہ اقوال جن کے بارے میں شیخ صاحب بیان کرتے ہوئے ان کے راویوں کے نام لیتے ہیں، در حقیقت ان راویوں کے نام ہمارے لئے بالکل بھی آشنا نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ اس زمانے میں کون لوگ ان اقوال کے قائل تھے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی شاذ و نادر ہی ایسے اقوال سننے میں آتے تھے۔ اس لئے ان چند شاذ و نادر اقوال کے لئے ان قطعی دلائل جن میں خمس کے واجب ہونے کی بات کی گئی ہے، کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

خمس کو معاف کر دینے والی روایات کو چھپانا:

خمس کو معاف کر دینے والی خبر کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کتاب کے صفحہ نمبر ۳۹ پر کہتا ہے:

"شیعہ وہ تمام روایات چھپاتے ہیں جن میں خمس نہ دینے کی اجازت دی گئی ہے یا پھر ان روایات کے بیان میں تحریف سے کام لیتے ہیں یا پھر ان کے بعض حصے کاٹ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں کی جہالت اور فقہاء پر ان کے اعتماد سے غلط استفادہ کرتے ہوئے جدید روایات کا اختراع کرتے ہیں جو پرانے منابع میں سرے سے موجود ہی نہیں۔"

جواب:

واقعی حیرت کی بات ہے کہ مصنف کس دیدہ دلیری سے فقہاء پر روایات چھپانے کا الزام لگاتا ہے حالانکہ ایسی فقہی اور حدیثی کتابوں کی تعداد کئی دہائیوں تک پہنچتی ہیں جن میں خمس کی ادائیگی کو معاف کردینے والی روایات کا ذکر آیا ہے۔ اگر ان کا ہدف ایسی روایات کا چھپانا ہوتا تو وہ ان کا ذکر ہی نہ کرتے۔

مصنف نے کتاب "الخمس بین السائل والمجیب" کے مصنف سید محمد صادق صدر مرحوم کو بھی اپنی تہمتوں کا نشانہ بنایا ہے کہ انہوں نے خمس کے بارے میں روایات تو بیان کی ہیں لیکن ان روایات کے حاشیے میں جہاں خمس کے معاف کردینے کا ذکر ہے، ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

کتاب "وسائل الشیعہ میں انفال کے ابواب میں سے چوتھے باب میں ایک روایت یوں بیان ہوئی ہے:

"ان اشد فیہ الناس یوم القیامۃ ان یقوم صاحب الخمس لیقول یا رب خمس"

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں کے لئے سب سے مشکل مرحلہ یہ ہے کہ خمس کا مستحق کہے کہ خدایا میرا خمس کہاں گیا؟

لیکن اگر مرحوم صدر نے روایت کے بعد کا حصہ بیان نہیں کیا تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد کا حصہ اصل میں اس کی بحث سے میل ہی نہیں کھاتا تھا۔ دراصل ان کی بحث کا موضوع کمائی اور دیگر چیزیں ہیں اور مذکورہ روایت ان کنیزوں کے بارے میں جو جنگی غنائم کے طور پر حاصل کی جاتی تھیں اور ہوتے ہوتے شیعوں کے ہاتھوں تک پہنچ جاتیں۔ ملاحظہ کیجئے:

(وقد طبنا ذلك لشيعتنا لتطيب ولادتهم ولتزكوا اولادهم)

ترجمہ: لیکن ہم نے اسے اپنے شیعوں کے لئے حلال کر دیا تاکہ ان کے بیٹوں کی پیدائش پاکیزہ طریقے سے ہو۔

الصدر مرحوم پر مزید دو تہمتیں:

وہ کہتا ہے: **محمد صدر** نے اپنی کتاب[1] میں دو جعلی روایات بطور دلیل پیش کی ہیں۔

۱۔ جو ہمارے مال میں سے کچھ کھا جائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے جہنم کی آگ کھائی ہو اور ایسے لوگ جلد ہی جہنم کی نذر ہو جائیں گے۔

۲۔ خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس شخص پر جو ہمارے مال میں سے ایک درہم بھی ناحق کھا جائے۔

۱۔ خمس، آج کا ٹیکس، ص ۱۴۱

جواب:

ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ اس کتاب کے مولف نے اصلی منابع اور کتب کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی دو ایک کتابوں سے صرف کاپی کی ہے۔

مصنف نے سید محمد صدر جیسے بلند پایہ عالم پر جعلی احادیث کی تہمت لگائی ہے حالانکہ اس کی مذکورہ دونوں روایات شیعوں کی تمام معتبر کتابوں میں موجود ہیں جن کا مطالعہ تمام شیعہ کرتے ہیں۔

پہلی حدیث شیخ صدوق مرحوم نے اپنی کتاب "کمال الدین"، طبرسی نے "احتجاج" اور شیخ حر عاملی نے "وسائل الشیعہ" میں نقل کی ہے۔ شیعہ منابع اور کتب میں آنے والی اس حدیث کی اصل عبارت کچھ یوں ہے: (من اکل من مالنا شیئاً فانما یاکل فی بطنه ناراً وسیصلی سعیراً)[1]

جبکہ دوسری حدیث شیخ صدوق نے اپنی کتاب "کمال الدین" اور طبرسی نے "احتجاج" میں نقل کی ہے۔

(لعنة الله والملائكة والناس اجمعين على من اكل من مالنا درهماً حراماً)[2]

۱۔ کمال الدین، ص ۵۲۲، حدیث نمبر ۴۹، احتجاج طبرسی، ۴۷۹؛ وسائل الشیعہ، ج ۵، انفال کے ابواب میں سے تیسرا باب، ح ۹۔

۲۔ کمال الدین، ص ۵۲۲، حدیث ۵۱؛ احتجاج طبرسی، ص ۴۸۰، وسائل الشیعہ، ج ۵، انفال کے ابواب میں سے دوسرا باب، ح ۸۔

کیا ان بے انصافانہ فیصلوں اور ناروا تہمتوں کو دیکھنے کے باوجود بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک ایسی کتاب کی ہزاروں کی تعداد میں چھپائی کرنا ایک مثبت عمل ہے؟

حساب کرنے میں غلطی:

مؤلف کہتا ہے: ہر ۲۰ مثقال سونے پر اس کا ۱/۴۰ حصہ جو ایک دینا کا ۱/۴ حصہ ہوتا ہے، زکات کے طور پر ادا کرنا واجب ہے جبکہ اس کا ۱/۵ حصہ خمس ہے۔ اس لئے اگر کسی کے پاس ۲۰ مثقال سونا ہو تو اسے چاہیے کہ اس کا ۱/۴ حصہ زکات کے طور پر ادا کرے، اور اگر اسے اس مقدار پر خمس دینا ہو تو لازمی ہے کہ وہ کہ اس بیس مثقال میں سے چار مثقال خمس کے طور پر ادا کرے جو ایک غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

پھر کہتا ہے: میوہ جات کے علاوہ گھر پر زکات نہیں، گاڑی پر زکات دیناواجب نہیں، باغ پر زکات دینالازمی نہیں، اگر پیسے حد نصاب تک نہ پہنچیں تو ان پر بھی کوئی زکات نہیں، حالانکہ مذکورہ تمام چیزوں پر خمس ادا کرنا واجب ہے۔[۱]

جواب:

پہلا نکتہ: قرآن کے مطابق ایمان کی ایک نشانی خدا کے احکام کے آگے

۱۔کتاب خمس، ص ۵۵۔

سر تسلیم خم کرنا ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ کے ہر قسم کے حکم پر اعتراض کو غیر مومن لوگوں کی علامت سمجھتا ہے۔ اس لئے فرماتا ہے:

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ)[۱]

ترجمہ: ایمان والو خبردار خدا اور رسول کے آگے اپنی بات کو آگے نہ بڑھاؤ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

(الا وانّ الاسلام هو التسليم)[۲]

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ: اسلام کا مطلب وہی خدا کے ارادے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

اگر خدا نے کمائی پر خمس کو واقعاً واجب قرار دیا ہے جیسا کہ ہم نے اس پہلے باب میں اس کے واجب ہونے کو ثابت کیا، تو پھر ہمیں اسے ایک غیر منصفانہ تقسیم کہنے کا کوئی حق نہیں۔ آج تقریباً تمام دنیا میں مختلف ممالک تقریباً اتنا ہی ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ معاشرے اور ملکوں کی آبادیاں اسی ٹیکس سے جڑی ہوئی ہیں اس شرط کے ساتھ کہ یہ وصول شدہ ٹیکس صحیح طور پر خرچ کیا جائے۔

دوسرا نکتہ: اگر ایسے اموال پر خمس وصول کرنا غیر منصفانہ تقسیم ہے تو پھر معادن پر کیوں ۱/۵ حصہ خمس کے طور پر وصول کیا جاتا ہے جس پر تمام اہل سنت اور اہل تشیع کے فقہاء مکمل طور پر متفق ہیں۔ اسی

۱۔ حجرات: ۱۔

۲۔ نہج البلاغہ، کلمات قصار

طرح خزانوں اور ایسی میراث پر خمس کی تقسیم کو جو ایک مسلمان کسی کافر سے وصول کرتا ہے، عادلانہ کہا جاتا ہے۔

تیسرا نکتہ: مصنف کو شیعی فقہ کے بارے میں قطعاً کوئی علم نہیں۔ اس لئے کہتا ہے: گھر پر زکات ادا نہیں ہوتی، گاڑی پر زکات ادا نہیں ہوتی، باغ پر کوئی زکات نہیں لیکن ان تمام پر خمس کا اطلاق ہوتا ہے!!

شیعی فقہ میں بھی ان تمام چیزوں پر کوئی خمس نہیں جنہیں روزمرہ کے استعمال کی چیزیں کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ایسا گھر جس میں کوئی رہ رہا ہو، ایسی گاڑی جو مسلسل استعمال میں ہو اور ایسا باغ جو زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہو، کوئی خمس نہیں رکھتا۔ بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر شیعی فقہ کا کہنا ہے: کوئی ایسا سرمایہ کہ اگر اس پر خمس ادا کیا جائے تو اس کی وجہ سے کام کاج میں خلل پڑ سکتا ہے، خمس نہیں رکھتا۔

چوتھا نکتہ: ایک اور چیز جس پر زکات واجب ہو جاتی ہے اور جسے اہل سنت بھی مانتے ہیں، تجارت سے حاصل ہونے والا فائدہ ہے۔ شیعوں کے ہاں تجارت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے پر روزمرہ کے اخراجات نکال کر ۱/۵ حصہ جبکہ اہل سنت کے ہاں تمام فائدے پر ۱/۴۰ حصہ دینا شرعی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا ادا کرنا واجب ہے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کے ہاں دو ایسی چیزیں ہیں جو کمائی پر خمس کی مقررہ شرح کی ادائیگی میں کمی کا باعث بنتی ہیں جبکہ یہ دونوں چیزیں اہل سنت کے چارگانہ مذاہب میں نہیں ملتیں:

۱۔ روزمرہ اخراجات اور زندگی کی ضروریات کا الگ کرنا:

اگر کوئی شخص سال بھر کام کرتا رہے تو لازمی ہے کہ پہلے وہ اس سال کے تمام اخراجات الگ کرے اور باقی ماندہ اموال پر خمس ادا کرے جس کی شرح ۵/۱ حصہ ہے۔ جبکہ اہل سنت کے ہاں زکات کے لئے ایسی کوئی روش پیش نظر نہیں رکھی جاتی اور اہل سنت سے تعلق رکھنے والے ایک شخص پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے اخراجات کم کئے بغیر ہی تمام اموال پر زکات ادا کرے۔ لہٰذا اگر موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں شیعی فقہ، سنی فقہ کے مقابلے میں کمتر شرعی ٹیکس کی وصولی کی اجازت دیتی ہے۔

۲۔ اموال پر صرف ایک بار خمس ادا کیا جاتا ہے:

شیعی فقہ کے مطابق اگر ایک انسان پانچ ملین رکھتا ہو اور ان پر ایک ملین خمس ادا کرے تو یہ ہمیشہ کے لئے کافی ہوگا۔ اسے باقی ماندہ چار ملین پر کبھی خمس ادا نہیں کرنا ہوگا۔ ایک فقہی قاعدہ یہ ہے کہ (المخمس لا یخمس) جبکہ اہل سنت کے چارگانہ مذاہب کے مطابق اگر کسی شخص کے پاس پانچ ملین ہو تو اس پر ہر سال ۴۰/۱ حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کا یہ مال نصاب کی حد سے نیچے گر جائے اور نصاب کی حد ۲۰ مثقال سونا ہے۔ اگر ہم فرض کریں کہ ہر مثقال سونے کی قیمت ۱۰۰،۰۰۰ روپیہ ہو، تو مذکورہ شخص کو چار ملین کے لئے ۴/۱ کی شرح سے ۱۰۰،۰۰۰ روپیہ دینا ہوگا۔ اسی طرح ہر سال اسے یہی شرح ادا کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ اسے یہی رقم باقی ماندہ چار ملین سے الگ کرنا ہوگا، یہاں تک کہ مال کی قیمت ۲۰۰۰،۰۰۰ روپیہ سے نیچے گر

جائے۔ اس طرح یہ شخص چند برسوں میں زکات کے نام پر خمس کا تین گناہ ادا کرتا ہے۔

خمس کے بجائے زکوۃ پر تاکید:

قرآن کی ایسی آیات کا ذکر کرتے ہوئے جن میں زکوۃ کا لفظ آیا ہو، مصنف اصرار کرتا ہے کہ خدا نے زکوۃ کی ادائیگی پر تاکید کی ہے اور خمس کا ذکر ہی نہیں کیا، کہتا ہے:

خداوند تعالی فرماتے ہیں:

(وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ)[۱]

ترجمہ: "لوگوں سے اچھی باتیں کرنا۔ نماز قائم کرنا۔ زکات ادا کرنا"۔ اور خدا نے یہ نہیں کہا کہ خمس ادا کرو۔[۲]

جواب:

قرآن نے اگر اس آیت میں صرف نماز اور زکات کی بات کی ہے اور خمس کا تذکرہ نہیں کیا تو اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ خمس ادا کرنا واجب نہیں۔

قرآن میں زکات کا لفظ ۳۲ مقامات پر استعمال ہوا ہے جن میں سے

۱۔ بقرہ: ۸۳

۲۔ کتاب خمس، ص ۵۷

۱۱ مرتبہ مکہ میں جبکہ باقی ماندہ مدینہ میں نازل ہونے والی آیات میں آیا ہے۔[۱] مدینہ میں زکات اسی صورت میں نازل ہوئی ہے جس صورت میں فقہی کتابوں میں درج ہے اور پیغمبرؐ نے چند لوگوں کو زکات جمع کرنے والوں کے عنوان سے مدینہ کے گرد ونواح میں روانہ فرمایا تاکہ وہ زکات جمع کریں۔ مال پر زکات فطرے پر زکات کے بعد واجب ہوئی جبکہ فطرے پر زکات ہجرت کے پہلے ہی سال یعنی جس سال روزہ واجب ہوا تھا، واجب قرار دی گئی۔[۲]

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ مدینہ میں نازل ہونے والی وہ آیات جو لوگوں کو زکات ادا کرنے کی دعوت دیتے ہیں تمام مالی واجبات کا احاطہ کرتی ہیں چاہے وہ اصطلاحی زکات ہو یا دیگر مالی فرائض جیسے واجب صدقات اور کفارہ وغیرہ۔ حتیکہ اس میں خمس بھی شامل ہو جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نقل کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

(وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا)[۳]

ترجمہ: اور جب تک زندہ رہوں نماز اور زکات کی وصیت کی۔

حضرت یحییٰؑ کی زبان سے نقل کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے:

(وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا)[۴]

ترجمہ: اور ہماری طرف سے مہربانی اور زکات ادا کرنا اور (وہ)

۱۔ المعجم المفہرس، مادہ زکات

۲۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۲۱۱۰۔

۳۔ مریم: ۳۱

۴۔ ایضاً، ۱۳

خوف خدا رکھنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کی زبان سے یوں نقل کرتا ہے:

(وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا)[1]

ترجمہ: اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکات کا حکم دیتے تھے اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

اب ہم مصنف سے پوچھتے ہیں کہ ان آیات کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب ہجرت کے پہلے برسوں میں واجب ہونے والی زکات ہے یا خدا کی راہ میں مال کا خرچ کرنا؟

یہ بات طے ہے کہ یہاں خداوند تعالی کی مراد پہلی صورت سے نہیں بلکہ اس کا مقصد تمام واجب اور مستحب انفاق اور مال کی پاکیزگی ہے۔ اس طرح تمام مالی فرائض اسی زمرے میں آجاتے ہیں۔ خمس بھی مالی فرائض کی ایک قسم ہے۔ یہ بات حقیقت کے منافی ہے اگر ہم ان آیات کو صرف زکات سے منسوب کریں جو ہجرت کے پہلے برسوں میں رائج ہوئی اور جس سے پہلے اس کا کوئی وجود نہیں تھا اور کہیں کہ یہی زکات حضرت اسماعیلؑ ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں بھی واجب تھی۔

درج ذیل آیات پر غور ہمیں ہمارے جواب کے قریب لے جاتا ہے:

۱۔ (يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ)[2]

۱۔ایضاً، ۵۵

۲۔بقرہ: ۲۱۹

ترجمہ: آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو کہہ دیجئے جو بھی ضرورت سے زیادہ ہو۔

۲۔ (خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ)[۱]

ترجمہ: آپ عفو کا راستہ اختیار کریں نیکی کا حکم دیں۔

اہل حدیث کے ماہرین اور مفسرین اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں:

(خذ ما عفالک من اموالھم وکان ذلک قبل فرض الزکاۃ)

ترجمہ: ان کی ضروریات کے علاوہ کا مال ان سے لے لو اور یہ زکات کے واجب ہونے سے پہلے نازل ہوئی۔[۲]

۳۔ (وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ)[۳]

ترجمہ: اور ان کے اموال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے کے لئے ایک حق تھا۔

عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا: کیا اس آیت کا مقصد زکات ادا کرنا ہے؟ انہوں نے کہا: خدا نے زکات کے علاوہ تم پر اور بھی حقوق واجب قرار دیئے ہیں۔[۴]

اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگرچہ خمس کا لفظ قرآن میں صرف ایک بار آیا ہے لیکن اس کے معانی کئی مقامات پر استعمال ہوئے ہیں کیونکہ لوگوں کو انفاق کی دعوت دینے والی آیات انتہائی وسیع معنی رکھتی

۱۔ اعراف: ۱۹۹

۲۔ طبری، ج ۲، ص ۵۰۰؛ فتح الباری، ج ۸، ص ۲۳۰؛ احکام القرآن جصاص، ج ۳، ص ۵۰

۳۔ ذاریات: ۱۹، معارج ۲۵

۴۔ تفسیر طبری، ج ۲۹، ص ۵۰؛ مغنی ابن قدامہ، ج ۵، ص ۲۱۵۔

ہیں جن میں خمس بھی شامل ہو جاتا ہے۔

زکات اور خمس میں موازنے کے لئے ایک بے ترتیب جدول:

مصنف نے ایک جدول ترتیب دی ہے جس کے ایک طرف خمس اور دوسری طرف زکات کا بیان ہوا ہے۔اس نے دونوں کا موازنہ کیا ہے جس سے اس کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ خمس کی تقسیم غیر منصفانہ ہے۔

یہاں ہم اس کی ترتیب دی ہوئی جدول اس میں شامل تمام اغلاط کے ساتھ من وعن پیش کر رہے ہیں:

خمس اور زکوۃ کا موازنہ

زکوۃ	خمس
۱۔ تناسب: ۱/۴۰، ۲،۵/۱۰۰ یا ۲۵/۱۰۰۰	۱۔ تناسب: ۱/۵ یا ۲۰/۱۰۰ یا ۲۰۰/۱۰۰۰
۲۔ مال کا نصاب کی حد تک پہنچنا لازمی ہے	۲۔ خزانوں اور معادن کے علاوہ باقی چیزوں کے لئے نصاب کی شرط نہیں۔
۳۔ مال پر ایک سال کا عرصہ گزرنے کی شرط	۳۔ مدت گزرنے کی کوئی شرط نہیں۔
۴۔ اموال میں سے چند خاص چیزوں پر واجب ہے	۴۔ تمام اموال حتی کہ تحائف، گھر اور گھریلو اشیاء پر بھی واجب ہے۔

۵۔ صرف دولتمندوں پر واجب ہے۔	۵۔ تمام امیروں اور فقراء پر واجب ہے۔
٦۔ آٹھ گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔	٦۔ صرف ایک گروہ کو دیا جاتا ہے جو سادات یا فقہاء ہیں۔
۷۔ تمام امت کی ضروریات رفع کرنے کی شرعی اجازت ہے۔	۷۔ صرف ایک طبقے سے مخصوص ہے۔
۸۔ ضرورتمندوں کے علاوہ کوئی زکات کا مستحق نہیں۔	۸۔ فقیہ یا (سید) کو دیا جاتا ہے چاہے وہ ضرورتمند ہو یا نہ ہو۔
۹۔ قرآن کی کئی آیات میں اس کا ذکر آیا ہے۔	۹۔ کفار سے جنگ کے بعد مال غنیمت پر اس کے اطلاق کے علاوہ اور کسی جگہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں آیا۔
۱۰۔ ہر چند خداوند تعالی نے اس پر تاکید کی ہے پھر بھی اسے اہمیت نہیں دی جاتی، نہ کسی کو اس کی یاد آتی ہے۔	۱۰۔ اس پر شدت سے تاکید ہوتی ہے ہر چند خداوند تعالی نے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔

زکوۃ کے سلسلے میں غلطی:

۱۔ وہ کہتا ہے: "مال کا نصاب کی حد تک پہنچنا لازمی ہے۔"

حنفی فقہاء کی نظر میں میوہ جات اور زراعت کی زکات کے لئے کوئی نصاب کی حد معین نہیں۔ وہ کہتے ہیں: اس قسم کی زکات کے لئے کوئی نصاب نہیں۔[۱]

۲۔ مؤلف کہتا ہے: مال پر ایک سال کی مدت گزرنی لازمی ہے۔

یہ شرط حیوانات، سونے اور چاندی کی زکات پر صادر ہوتی ہے لیکن زمین سے نکلنے والی فصلوں، کانوں اور خزانوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور ان چیزوں کے حاصل ہوتے ہی ان پر زکات دینا واجب ہے۔[۲]

۳۔ مؤلف کہتا ہے: زکات ادا کرنا صرف دولتمندوں پر واجب ہے۔

زکات ادا کرنے کے لئے دولتمند ہونے کی شرط قطعی نہیں۔ جس پر بھی زکات واجب ہو جائے اسے اپنی زکات ادا کرنی چاہیے، ہر چند وہ سال بھر زکات کا مستحق رہا ہو۔ خصوصاً فقہ حنفیہ میں تو زمین سے نکلنے والی چیزوں پر زکات کے لئے قطعاً کوئی نصاب مقرر نہیں اور کم سے کم چیز پر بھی زکات دینا واجب ہے۔

۴۔ مصنف کہتا ہے: ضرورتمندوں کے علاوہ کوئی زکات کا مستحق نہیں۔

غالباً زکات فقراء اور بے نواؤں کی زندگی گزارنے کے لئے وضع کی گئی ہے، پھر بھی یہ ایک کلی قاعدہ نہیں۔ کبھی کبھار مصلحت کے پیش نظر یہ غیر فقیر لوگوں کو بھی ادا کی جاتی ہے، جیسے: (مولفۃ قلوبھم) یعنی

۱۔ الفقہ علی المذاہب الخمسۃ، ص ۱۷۴۔

۲۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ج ۲۳، ص ۲۴۲، زکات کا حصہ۔

ایسے لوگ جنہیں زکات دینے سے مسلمانوں سے ان کی دشمنی کی شدت میں کمی لائی جا سکتی ہے، یا ان کا دل موہ لیا جا سکتا ہے اور اس طرح وہ مسلمانوں کے دوست بن سکتے ہیں اگرچہ وہ پہلے سے دولتمند ہی کیوں نہ ہوں۔

۵۔ مؤلف کا کہنا ہے: زکات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

مصنف کی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہی ہے۔ ہم نے اپنی زندگیوں کے دوران ایسی ایسی شخصیات دیکھی ہیں جنہوں نے زکات جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے ادارے تشکیل دیئے۔ ایسی شخصیات میں سے ایک شخصیت حاجی مرزا علی اکبر اردبیلی کی ہے جو ایران میں صوبہ اردبیل کے شرعی حاکم تھے۔ انہوں نے ایک گروہ کو زکات جمع کرنے پر مامور رکھا تھا۔ ایران میں گذشتہ دنوں زکات جمع کرنے کے لئے ایک ادارہ تشکیل دیا گیا ہے جو زکات جمع کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہا ہے، حالانکہ یہ ادارہ خمس جمع کرنے کے لئے نہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ زکات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا جا رہا تو پھر اس موضوع پر کئی سو کتابوں کی تحریر اور انتشار کیا ہے؟

خمس کے بارے میں مؤلف کی لغزشیں:

۱۔ مؤلف کہتے ہیں:

(خمس کے لئے) خزانوں اور کانوں کے علاوہ باقی چیزوں میں نصاب کی کوئی قید نہیں۔

حالانکہ یہ کہنا غلط ہے اور بعض چیزوں پر خمس کے لئے ایک نصاب مقرر ہے جیسے:

وہ چیزیں جو غواصی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں جیسے موتی، مونگا وغیرہ جن کے لئے نصاب کی حد ایک دینار ہے۔ سب سے اہم مسئلہ یعنی کمائی پر خمس کے لئے نصاب کی حد مقرر ہے جو روزمرہ کے اخراجات نکالنے کے بعد باقی ماندہ اموال ہیں۔ اس لئے اگر کوئی اپنے روزمرہ کے اخراجات الگ کریں اور اس کے بعد اس کے بعد اضافی کچھ نہ بچے تو اس پر خمس ادا کرنا واجب نہیں۔

۲۔ مؤلف کہتا ہے: خمس تمام اموال حتی کہ تحائف، گھر اور گھریلو اشیاء پر بھی واجب ہے۔

حالانکہ ایسا کچھ نہیں۔ ان تمام چیزوں پر جو روزمرہ زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہوتی ہیں، کوئی خمس نہیں کیونکہ ان چیزوں کا شمار انسان کی روزمرہ کی ضروریات میں ہوتا ہے۔ البتہ اگر یہ چیزیں اس کے استعمال میں لائی ہوئی چیزوں کے علاوہ ہے تو پھر ان پر خمس ادا کرنا واجب ہے۔

۳۔ خمس بیک وقت فقراء اور دولتمندوں پر واجب ہے۔

یہ بیان مصنف کی غلطیوں کی ایک اور نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص اتنا فقیر ہے کہ اپنے روزمرہ کے اخراجات تک برداشت نہیں کرسکتا تو اس سے خمس کی وصولی کی بجائے اس کی امداد کی جاتی ہے۔

۴۔ صرف ایک گروہ کو دیا جاتا ہے جو سادات یا فقہاء ہیں۔

ہم نے گذشتہ صفحات پر خمس کے مصارف بیان کئے۔

خمس کا آدھا حصہ فقیر سادات کے لئے ہے جس سے وہ اپنی زندگیاں گزارنے کے قابل ہوتے ہیں اور باقی کا آدھا حصہ مسلمانوں کے عمومی مفاد جیسے تبلیغی، دفاعی اور دوسرے عام المنفعہ امور کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ درحقیقت فقہاء صرف یہ دیکھتے ہیں کہ خمس صحیح طرح خرچ کیا جائے، وہ قطعاً اس خمس کے مالک ہونے کا دعوی نہیں کرتے۔

مصنف نے قصداً ان مسائل کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے اور کوشش کی ہے کہ فقہاء جو دراصل استعمار کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔

۵۔ کہتا ہے: خمس صرف ایک طبقے سے مخصوص ہے جو فقہاء یا سادات کا طبقہ ہے۔

یہ بات پہلے بیان کی جانے والی بات ہی کی تکرار ہے۔

۶۔ یہ خمس فقیہہ یا (سید) کو دیا جاتا ہے چاہے وہ ضرورتمند ہو یا نہ ہو۔

شیعی فقہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں آئی۔ سادات کو خمس ادا کرنے کی پہلی شرط ان کی مفلسی اور فقر ہے اور ایک دولتمند سید کو خمس لینے کی بجائے خمس ادا کرنا چاہیے۔ فقیہ تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ خمس کا استعمال کس طرح کیا جارہا ہے۔

۷۔ کفار سے جنگ کے بعد مال غنیمت کے طور پر حاصل شدہ اموال پر اس کے اطلاق کے علاوہ اور کسی جگہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں آیا۔

ہم پہلے ہی یاد دہانی کرا چکے ہیں کہ اگرچہ قرآن میں خمس کا لفظ صرف ایک بار آیا ہے لیکن یہ آیت صرف غنائم جنگی کے بارے میں نہیں بلکہ جنگی غنائم صرف اس کا ایک حصہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی مکہ میں زکات کے بارے میں نازل ہونے والی آیات وسیع معنی رکھتی ہیں جن میں ہر قسم کے مالی فرائض شامل ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک خمس بھی ہے۔

چوتھا باب

کمائی پر خمس؛ تاریخ کی روشنی میں

مصنف نے کتاب کا یہ باب ڈاکٹر موسیٰ موسوی سے منسوب ایک کتاب سے لیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کمائی پر خمس کا اطلاق نہیں ہوتا اور کمائی پر خمس دینا واجب نہیں چونکہ پیغمبرؐ اور ان کے بعد دوسرے خلفاء کمائی پر خمس وصول نہیں کرتے تھے اور حضورؐ نے اپنی حیات طیبہ کے دوران کسی کو بھی مدینہ کے بازار بھجوا کر کمائی پر ۵/۱ حصہ وصول کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد کہتا ہے: مرتدوں کے خلاف ابوبکر کی جنگ زکات کی ممنوعیت کے لئے تھی، خمس کی ممنوعیت کے لئے نہیں۔[1]

یہ مطلب بیان کرکے اور اموی اور عباسی خلفاء کا ذکر کرکے جن کے زمانے میں خمس کی ادائیگی پر قدغن لگائی گئی تھی اور جن کے زمانے میں خمس ادا کرنا رائج نہیں تھا، یہ کہنا چاہتا ہے کہ خمس ایک غیر واقعی امر ہے۔

جواب:

کتاب کے شروع میں ہم نے خمس کے بارے میں آنے والی حضور اکرمؐ کی کئی روایات کا ذکر کیا۔ اب رہا یہ سوال کہ پیغمبرؐ نے کسی شخص کو بازار کی طرف خمس جمع کرنے کے لئے کیوں نہیں بھیجا تو اس کا جواب

۱۔ کتاب خمس، ص ۸۲۔

واضح ہے اور وہ یہ کہ چونکہ خمس کا آدھا حصہ پیغمبرؐ کے مبارک خاندان کے لئے تھا جبکہ باقی کا آدھا حصہ بھی وہ اپنے مبارک ہاتھوں سے استعمال کرتے تھے۔ اس زمانے میں ایک ایسے فریضے کے جمع کرنے کے لئے کسی اور کو بھیجنا بدبینی اور بداندیشی کو جنم دے سکتا تھا۔ اس لئے پیغمبرؐ نے اس کام کے لئے کسی فرد یا افراد کی تقرری نہیں فرمائی بالکل ویسے ہی جیسے انہوں نے معادن وغیرہ پر خمس کی وصولی کے لئے کسی کو مقرر نہیں کیا تاکہ لوگ اپنی مرضی سے اور پیغمبرؐ اور اہل بیتؑ سے رکھنے والی اپنی عقیدت کے پیش نظر خود ہی اپنا فریضہ انجام دیں۔

رہی یہ بات کہ امیر المؤمنینؑ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے پیشواؤں نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے زمانے تک اس حکم کے نفاذ کی کوشش کیوں نہیں کی تو اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کیونکہ امویوں اور عباسیوں کے دور حکومت میں خمس جمع کرنے اور مستحقین کے درمیان اس کی تقسیم کا مطلب حالات کو حساس بنانا اور ان ظالم حکماء کو بہانے مہیا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ہر چند ائمہ علیہم السلام اس عمل سے دور ہی رہے اس کے باوجود بھی منصور عباسی کو مسلسل یہ پیغام دیا جاتا رہا کہ امام صادقؑ قیام اور تحریک چلانے کی فکر میں ہیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے مال اور اسلحہ بھی آمادہ کر لیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں مدینہ سے حیرہ منتقل کیا گیا جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے دو برس گزارے۔ لیکن ائمہ علیہم السلام کی تاریخ کے دوسرے آدھے حصے سے ان احکام اور ان کے نفاذ کا مرحلہ خاص شرائط

کی بناپر شروع ہوااور امامؑ نے فوراًپر عمل درآمد شروع کردیا جس کے بارے میں بہت سی روایات ملتی ہیں۔

اب رہی بنی امیہ اور بنی عباسی خلفاء کی سیرت تو اسے بالکل بھی حجت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ وہ تو جنگی غنائم میں سے اہل بیتؑ کے مسلم حقوق بھی ادانہیں کرتے تھے۔ایسے میں سوال ہی پیدانہیں ہوتا کہ وہ خمس کی ادائیگی کافریضہ بجالاتے جس سے ان کی اپنی نفی ہو جائے۔

خمس اور تاریخ کے فراعین:

اپنی کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ خمس جمع کرنا ایک فرعونی روش ہے۔ کیونکہ فرعون بھی زمینوں سے حاصل ہونے والی کمائی پر خمس وصول کرتا تھا۔ پھر توریت کا ایک حصہ نقل کرتا ہے جس کے مطابق یوسف نے فرعون کے لئے تمام زمینیں خرید لیں اور جب مصریوں پر قحط نے غلبہ پالیا تو ان میں سے ہر ایک نے اپنا کھیت بیچ ڈالا اور اس طرح تمام زمینیں فرعون کی ہو گئیں۔ یوسف نے لوگوں سے کہا: میں نے تمہیں اور تمہاری زمینوں کو فرعون کے لئے خرید لیا۔ تم اپنے اور اپنے گھر والوں کے کھانے کے لئے زمینوں پر کھیتی باڑی کرو اور فرعون کو اس کا خمس ادا کرتے رہو۔[1]

اس کے بعد یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ خمس ادا کرنا فرعون کے لئے غلامی کی علامت تھا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شریعت محمدیؐ میں جس نے

۱۔توریت فارسی، سفر تکوین، فصل ۴۷، آیت نمبر ۲۰ سے ۲۷ خلاصے کے ساتھ۔

انسانوں کے پاؤں سے غلامی کی بیڑیاں کھولیں ایک بار پھر اعزاز کے طور مسلمانوں کے گلے میں وہی طوق ڈال دیا جائے؟![1]

مصنف کے نکالے ہوئے نتیجے میں چند غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کا ذکر ہم یہاں کریں گے:

۱۔ فراعین اور خمس کے ذکر سے مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ خمس ادا کرنا فرعونی شریعت کا حصہ تھا تو پھر اسلام میں کیسے داخل ہوا؟ لیکن اگر ہم توریت کو حجت مان لیں تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ یوسفؑ جیسے معصوم پیغمبر کی شریعت تھی جنہوں نے اپنی اس عجیب و غریب روش سے لوگوں کو بھوکوں مرنے سے نجات دلائی کیونکہ سب کو مفت گندم تقسیم کرنا ممکن نہیں تھا۔ حضرت یوسفؑ مجبور تھے کہ قحط سالی کے دوران لوگوں کو دینے والی امداد کے بدلے ان سے کچھ نہ کچھ لے لیں۔ لوگوں کے پاس بھی زمینوں اور کام کی طاقت کے سوا کچھ نہیں تھا، اس لئے انہوں نے خوشی خوشی یہ دونوں چیزیں پیش کر دیں۔[2] جب حاکم نظام زمینوں کا مالک بنا تو حضرت یوسفؑ نے اپنی معصومانہ تدبیر سے تمام زمینیں لوگوں کو مفت واپس کر دیں اور ان سے چاہا کہ وہ اس کے بدلے اس نظام کو جس نے ایک عرصے تک ان کی خدمت کی تھی، خمس کے نام پر ٹیکس ادا کریں اور یہ فرعونی قانون نہیں بلکہ درحقیقت ایک طرح کی یوسفی شریعت تھی۔

۲۔ اگر ہم مان بھی لیتے ہیں کہ زمینوں پر خمس وصول کرنا ایک

۱۔ کتاب خمس، ص ۸۷ اور ۸۹۔
۲۔ توریت، سفر تکوین، فصل ۴۷، آیت نمبر ۲۰

فرعونی قانون تھا تو پھر حکومت اسلامی کس لئے حکومتی اراضی پر خالصہ جات کے نام پر ٹیکس وصول کرتی ہے۔ ممکن ہے بعض اوقات ان زمینوں کے ٹیکس کی مقدار خمس سے کمتر یا زیادہ ہو جائے۔ اہل سنت کے فقہاء کی نظر میں اسلامی شریعت میں جنگی غنائم کے علاوہ خزانوں، کانوں اور فے (وہ زمینیں جو جنگ کے بغیر ہی اسلامی حکومت کے حصے میں چلی آتی ہیں) پر بھی خمس کا اطلاق واجب ہوتا ہے۔[۱]

۳۔ جلد بازی سے فیصلہ کرتے ہوئے اور شیعوں پر یہ الزام لگاتے ہوئے کہ شیعہ فرعونی شریعت کے پیروکار ہیں، مصنف نے نادانستہ طور پر معصوم پیغمبر یعنی حضرت یوسفؑ کو بھی فرعونی شریعت کا پیروکار کہا ہے، اس پیغمبر کو جنہوں نے خود کو گناہوں سے بچانے کے لئے کئی سال قید و بند کی سختیاں برداشت کیں۔ آخر ایک ایسا پیغمبر کس طرح ایک قانون وضع کر سکتا ہے کہ تمام لوگ فرعون کے غلام بن کر رہ جائیں؟! ہر محقق اور مصنف کو قلم اٹھاتے ہوئے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ اپنے دنیاوی مطالعے کے لئے خدا کے پیغمبروں کی ہتک اور انہیں ذلیل کرنے کا سبب نہ بن جائے اور انہیں فرعون کے ساتھی دکھانے کی کوشش نہ کرے۔

ہدف رکھنے والے مؤلفین وہ مقدس اور آزاد لوگ ہیں جو ایک مقدس ہدف کے لئے قلم اٹھاتے ہیں اور علمی سرمایوں سے استفادہ کرتے ہوئے تمام حقائق اپنے قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مذکورہ کتاب کے مصنف کا ہدف

۱۔ موسوعۂ فقہی کویتی، ج ۲، ص ۱۹، مادہ خمس۔

صرف تخریب ہے۔ وہ اس لئے پریشان ہے کہ لوگ اپنا خمس فقہاء کو کیوں دیتے ہیں تاکہ وہ صحیح استعمال ہو کر اپنے اصلی مستحقین تک پہنچے۔

یقیناً وہ مذہب تشیع اور امامت اور ولایت کی فکر کا بھی مخالف ہے اور دل سے اموی اور عباسی خلفاء کا طرفدار ہے ہر چند اس کتابچے میں اس نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اپنے اس احساس کو چھپانے میں کامیاب رہے۔

ہم نے یہاں مولف اور اس کے ساتھیوں پر حجت تمام کردی۔ اگر وہ انصاف سے کام لیں تو انہیں اپنی انا توڑتے ہوئے حق کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

خدایا! ہمیں خود خواہی اور غیر خود نخواہی سے نجات دے!

اے خدا! ہمارے دلوں میں حق پرستی اور حق گوئی کے علاوہ اور کچھ قرار نہ دے!

ان ہدف رکھنے والے مصنفین اور مولفین کی مدد فرما جو مسلمانوں کی یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کے خواہاں ہیں!

نفاق اور تفرقہ پھیلانے والے قلم توڑ دے!

بمنّہ وکرمہ

قم۔ موسسہ امام صادقؑ

۲۶ بھمن ۱۳۸۶